جلد 15 شمارہ 1 جنوری 2013ء صفر/ربیع الاول 1434ھ

سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا تعارف اور اغراض ومقاصد

- سلسلہ عالیہ توحیدیہ ایک روحانی تحریک ہے جس کا مقصد کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے مطابق خالص توحید، اتباع رسول، کثرت ذکر مکارم اخلاق اور خدمت خلق پر مشتمل حقیقی اسلامی تصوف کی تعلیم کو فروغ دینا ہے۔
- کشف وکرامات کی بجائے اللہ تعالیٰ کے قرب وعرفان اور اس کی رضا ولقاء کے حصول کو مقصود حیات بنانے کا ذوق بیدار کرنا ہے۔
- حضور ﷺ کے اصحاب کی پیروی میں تمام فرائض منصبی اور حقوق العباد ادا کرتے ہوئے روحانی کمالات حاصل کرنے کے طریقہ کی ترویج ہے۔
- موجودہ زمانے کی مشغول زندگی کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے نہایت مختصر اور سہل العمل اوراد واذکار کی تلقین۔
- غصہ اور نفرت، حسد وبغض، تجسس وغیبت اور ہوا وہوس جیسی برائیوں کو ترک کر کے قطع ماسواء اللہ، تسلیم ورضا عالمگیر محبت اور صداقت اختیار کرنے کو ریاضت اور مجاہدے کی بنیاد بنانا ہے۔
- فرقہ واریت، مسلکی اختلافات اور لاحاصل بحثوں سے نجات دلانا۔ تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کی اہمیت کا احساس پیدا کر کے اپنی ذات، اہل وعیال اور احباب کی اصلاح کی فکر بیدار کرنا ہے۔
- اللہ تعالیٰ کی رضا اس کے رسول ﷺ کی خوشنودی اور ملت اسلامیہ کی بہتری کی نیت سے دعوت الی اللہ اور اصلاح وخدمت کے کام کو آگے بڑھانا اپنے مسلمان بھائیوں کے دلوں میں قلبی فیض کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی محبت بیدار کرنا اور روحانی توجہ سے ان کے اخلاق کی اصلاح کرنا ہے۔

مدیر	احمد رضا خان 0321-6400942
نائب مدیر	سید رحمت اللہ توحیدی 0333-4552212
معاون مدیر	خالد محمود توحیدی 0300-7374750
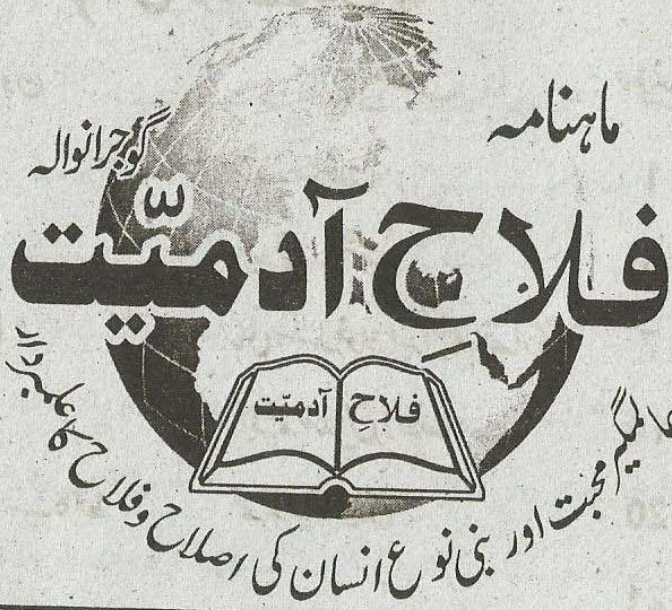
مجلس ادارت

خالد مسعود، پروفیسر منیر احمد لودھی
ائیر کموڈور (ر) اعجاز الدین
پیر خان، عتیق احمد عباسی
ایم طالب، عبدالقیوم ہاشمی
پروفیسر غلام شبیر شاہد

شیخ سلسلہ و مدیر سے رابطہ

مرکز تعمیر ملت (ڈاکخانہ سیکنڈری بورڈ) وحید کالونی کوٹ شاہاں گوجرانوالہ

Ph:055-3862835/055-4005431

فیکس نمبر: +92-55-3736841 ای میل: info@toheedia.net

پبلشر عامر رشید انصاری نے معراج دین پرنٹرز مچھلی منڈی لاہور سے چھپوا کر مرکز تعمیر ملت، جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا

قیمت شمارہ -/30 روپے   سالانہ فنڈ -/300 روپے

اس شمارے میں

مضمون	مصنف	صفحہ نمبر
دل کی بات	احمد رضا خان	1
درس قرآن	سید قطب شہیدؒ	3
نیا سلسلہ کیوں بنایا گیا	بانی سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ	7
صراط مستقیم	قبلہ محمد صدیق ڈار صاحب	14
قبلہ محمد صدیق ڈار صاحب کا خط	محمد نذیر توحیدی	20
ذکر الٰہی کے فوائد		21
ولادت باسعادت سرور دو عالم ﷺ	مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ	29
خوشی اور غم	واصف علی واصفؒ	33
نماز اور معراج	شمس الدین عظیمی	39
زندگی میں فرد کی اہمیت	مولانا سید ابوالحسن ندویؒ	41
کیا ایمان کے بغیر بھی طبیعی معاشرتی قوانین مقررہ نتائج پیدا کرتے ہیں	مدثر حسن بخاری	49
گردشِ ماہ و سال	مفتی محمد حسین	50
مرتے وقت کا مالی ایثار	مولانا محمد جعفر شاہ پھلواروی	56
وساوس و خیالات	پروفیسر شبیر شاہد ہوتوانی توحیدی	59
ہر طرف فریب	فہد محمود	61

دل کی بات

تعلیماتِ تصوف پڑھنے کی نسبت کرنے سے زیادہ تعلق رکھتی ہیں۔ راہِ تصوف میں وہی سالک کامیاب رہتے ہیں جو اپنے مرشد کی بتائی ہوئی تعلیمات پر کما حقہ عمل کرتے رہتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہوتے ہیں جو احوال و معاملاتِ تصوّف سے پوری طرح آگاہ ہوتے ہیں کیونکہ انہیں وہ باطنی علم حاصل ہوتا ہے جو تصوّف کے بحرِ بے کنار کا حصہ ہے۔ اس کے برعکس تعلیماتِ تصوف کا صرف مطالعہ کرنے والے کسی کیفیت کا قیاس و گمان تو کر سکتے ہیں مگر اس کی حقیقت سے بہر حال ناواقف ہی رہتے ہیں۔ بانیٔ سلسلہ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے جب وحدت الوجود کے بارے میں اپنی کتاب 'حقیقت وحدت الوجود' لکھی تو آپؒ نے بڑے مشہور ناموں کی ایک مختصر فہرست دے دی جنہوں نے وحدت الوجود کو اپنا موضوع بیاں بنایا مگر درحقیقت وہ وحدت الوجود کی کیفیت کا ادراک نہ رکھتے تھے، ان حضرات کی اپنے ادوار میں دینی خدمات سے انکار نہیں مگر وحدت الوجود سے ان کی شناسائی صرف بیانی اور کتابی علم تک محدود تھی۔ کچھ ایسا ہی معاملہ جناب حسین ابن منصور حلاجؒ کا ہے۔ قلمکاروں نے اس پر بھی خوب لکھا مگر اس کی حقیقت کم ہی سامنے آئی۔ اس کے علاوہ اور بھی اَنگنت کیفیات و معاملات تصوف ہیں جو سمجھائے نہیں جا سکتے اور وارد ہونے پر خود ہی سمجھ آجاتے ہیں یا کامل مرشد کے روحانی فیض اور تعلیمات سے ہی سالک کامیابی و کامرانی کے متوازن راستے پر گامزن رہتا ہے۔

بانیٔ سلسلہ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے اپنی تصانیف میں اسلامی تصوف کی جاں بخش تعلیمات کو انتہائی سہل پیرائے میں اس انداز سے قلمبند کیا ہے کہ جدید دور کے انسان کیلئے قابلِ فہم بھی ہیں اور اپنے اندر ہر لحاظ سے تسلّی و تشفّی کا ساماں سموئے ہوئے ہیں۔ آپؒ ان کتب کو باقاعدگی سے مطالعے کا حصہ بنانے پر زور دیتے اور اسی بات کا اعادہ شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ قبلہ محمد صدیق ڈار صاحب توحیدی بھی کرتے رہتے ہیں۔ سلسلہ عالیہ توحیدیہ میں یہ

روایت قائم ہے کہ تمام مریدین سلسلہ ماہ جنوری میں بانیٔ سلسلہؒ کی تصانیف کا مطالعہ شروع کرتے ہیں اور ماہِ اپریل میں سالانہ کنونشن سے پہلے ایک مرتبہ ان کتب کا مطالعہ کر کے سالانہ کنونشن پر آتے ہیں۔امسال بھی یہ امید کی جاتی ہے کہ تمام احباب ماہِ جنوری میں بانیٔ سلسلہؒ کی تصانیف کا نہ صرف خود مطالعہ شروع کریں گے بلکہ اپنے اپنے حلقہ جات میں شامل طالب بھائیوں کو بھی اس دوران مطالعہ کے بھرپور مواقع فراہم کریں گے۔

ماہِ جنوری میں ہی ہمارے محسن بانیٔ سلسلہ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے اس دنیا کو الوداع کہا۔آپؒ کا یوم وفات ۲۳ جنوری ۱۹۷۷ء ہے۔آپؒ اپنی زندگی میں ہی قبروں اور مزاروں پر اجتماعات کے خلاف تھے۔آپؒ نے ہمیشہ قبروں پر منّتیں ماننے، اجتماعی دعائیں مانگنے،قبر یا مزار پر آ کر اجتماعی پروگرام کرنے کو سخت ناپسند کیا۔آپؒ زندہ و بیدار اسلامی تصوف کے حامل بزرگ تھے۔آپؒ نے برصغیر پاک وہند میں صدیوں سے قائم پیر پرستی اور قبر پرستی کی رسوم و روایات کی یکسر تردید کرتے ہوئے سادہ اور مجاہدانہ زندگی کو اپنا شعار بنایا اور سلسلہ عالیہ توحیدیہ میں شامل اپنے مریدین کو بھی یہی درس دیا۔آپ کی تعلیمات کو جس انگ اور جس زاویے سے بھی دیکھا جائے اس میں مسلسل عمل کرنے اور مجاہدانہ زندگی کی روش اپنانے کا درس ملتا ہے۔آپؒ کی تعلیمات تصوف ہر قسم کے شرک اور مشرکانہ رسومات سے پاک ہیں۔مریدین سلسلہ آپؒ کے یوم وفات پر اپنے اپنے علاقائی حلقہ جات میں حسب سہولت مختصر پروگرام کراتے ہیں جس میں ختم قرآن، فاتحہ خوانی، اور آپؒ کی تعلیمات کا بیان ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی تعلیمات کو سمجھنے اور ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین یا ربّ العالمین!

والسلام!

احمد رضا خان

مدیر

درس قرآن (سورۃ البقرہ آیت 45تا 48)

سیّد قطب شہیدؒ **ترجمہ:** مولانا ساجد الرحمٰن صدیقی

وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلاَةِ وَإِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلاَّ عَلَى الْخَاشِعِينَ (45) الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُم مُّلاَقُوا رَبِّهِمْ وَأَنَّهُمْ إِلَيْهِ رَاجِعُونَ (46) يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ اذْكُرُواْ نِعْمَتِيَ الَّتِي أَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَأَنِّي فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعَالَمِينَ (47) وَاتَّقُواْ يَوْماً لاَّ تَجْزِي نَفْسٌ عَن نَّفْسٍ شَيْئاً وَلاَ يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَلاَ يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَلاَ هُمْ يُنصَرُونَ (48)

"اور (مشکل کے وقت) صبر اور نماز سے مدد لو۔ بلاشبہ نماز بھاری ہے مگر عاجزی کرنے والوں پر بھاری نہیں، جو یقین رکھتے ہیں کہ وہ اپنے پرودگار سے عنقریب ملنے والے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ اے بنی اسرائیل! میری اس نعمت کو بھی یاد کرو جو میں نے تمہیں عطا کی تھی اور تمہیں تمام اقوام عالم پر فضیلت دی تھی۔ اور ڈرو اس دن سے جب نہ تو کوئی کسی دوسرے کے کام آسکے گا، نہ اس کے حق میں سفارش قبول کی جائیگی، نہ معاوضہ لیکر چھوڑ دیا جائیگا۔ اور نہ ہی ان کو مدد پہنچ سکے گی"۔

پریشانیوں اور مصائب کا علاج

مصیبت اور پریشانی کی حالت میں صبر اور نماز کو اپنا شعار بنانے کا حکم دیا گیا ہے۔ نماز اصل میں اللہ سبحانہ اور اس کے بندے کے درمیان ایک ملاقات ہے جس سے قلب کو غذا ملتی ہے اور روح پرودگار کے تعلق سے جھوم اٹھتی ہے۔ نماز نفس انسانی کو وہ دولت فراہم کرتی ہے جو ساری دنیا کی دولت سے گرانقدر ہے نبی کریم ﷺ کو جب کوئی معاملہ درپیش ہوتا فوراً نماز کی جانب متوجہ ہو جاتے حالانکہ آپ ﷺ اپنے ربّ سے سب انسانوں سے زیادہ قریب تھے اور وحی اور الہام کا سلسلہ بھی جاری تھا۔ اب بھی یہ رودِ کوثر ہر مومن کے سامنے ہے جسے زادِ راہ کی طلب ہو، جو سخت گرمی میں آبِ خنک کا طلبگار ہو ایسے شخص کو مدد کی ضرورت ہو جس کی مدد کا ہر راستہ

منقطع ہو چکا ہو ایسے شخص کو زادِ راہ کی ضرورت ہو۔ جس کا توشہ دان بالکل خالی ہو۔

حقیقت یہ ہے کہ صبر و ثبات سے مدد لینے کی ضرورت انسان کو بار بار پیش آتی ہے۔ صبر و ثبات ہر مشقت سے مقابلے کے لئے ضروری ہے۔ یہ ہر مشکل کا حل ہے اور انسان کے لئے سب سے زیادہ پُر مشقت کام یہ ہے کہ وہ اپنے مرتبے سے نیچے اتر کر صرف حق کی خاطر اپنے ذاتی مفادات کو ٹھکرا دے اور ہر شے سے بے نیاز ہو کر حق کا اعتراف کرے اور اس کے سامنے سرنگوں ہو جائے۔

مذکورہ آیت میں (انّھــــا) کی ضمیر ضمیرِ شان ہے یعنی بنی اسرائیل کو اعتراف حق کی دعوت دینا۔ جبکہ اس کی راہ میں اتنی بڑی رکاوٹیں ہوں، بڑا مشکل کام ہے یہ صرف ان لوگوں کیلئے سہل ہے جو اپنے دلوں میں اللہ سبحانہ کی خشیت رکھتے ہوں اس کے مطیع فرمان ہوں جنہیں خشیت خداوندی اور اس کے تقویٰ کا پورا شعور ہو اور جنہیں پورا یقین ہو کہ اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ جو لوگ مرنے کے بعد اپنے پروردگار سے ملنے اور اسکے حضور جوابدہی کا یقین رکھتے ہیں۔ ان کے لئے نماز کی ادائیگی کبھی مشکل نہیں ہوا کرتی بلکہ نماز میں تاخیر ہو جائے تو ان کی طبیعت گرانبار ہو جاتی ہے جب تک نماز ادا نہ کرلیں انہیں چین نہیں آتا۔

اللہ تعالیٰ کی جانب دوبارہ رجوع۔ (قرآن کریم میں ظن اور اس کے ہم معنی الفاظ یقین کے معنی میں استعمال ہوئے ہیں بلکہ عربی زبان میں بھی اکثر ظن یقین کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے) اور ہر معاملے میں اس کی جانب رجوع انسان میں صبر و استقلال پیدا کرتا ہے تقویٰ اور خیر کا شعور اسی پر موقوف ہے۔ دنیاوی اقدار اور اخروی اقدار کے درمیان صحیح توازن اسی یقین کا مرہونِ منت ہے ان اقدار کا توازن درست ہو جائے تو انسان کو یہ ساری دنیا بے حقیقت اور متاعِ قلیل نظر آنے لگتی ہے۔ اور آخرت کی صحیح حقیقت اسی وقت روشن ہوتی ہے اور پھر انسان آخرت پر دنیا کو ترجیح دینے کے لئے کسی قیمت پر بھی تیار نہیں ہوتا۔ اس نقطۂ نظر سے قرآن کریم کا مطالعہ کرنے کے بعد پتہ چلتا ہے کہ جو ہدایت بنی اسرائیل کو دی گئی ہے ان کا مخاطب درحقیقت ساری انسانیت ہے۔

شخصی مسئولیت

ایک وقت تھا جب تمام اقوام عالم پر بنی اسرائیل کے علم وفضیلت کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔لیکن نعمت کا ان پر الٹا اثر ہوا، بجائے اس کے کہ وہ شکر ادا کرتے اور اللہ کے حضور سرنگوں ہوتے اور تقویٰ اختیار کرتے وہ ازراہِ تکبر یہ سمجھ بیٹھے کہ ہم چونکہ انبیاء کی اولاد ہیں۔لہذا اللہ کے محبوب اور چہیتے ہیں اور ہمیں عذاب نہیں ہوگا یہ بات ان کے عقیدہ راسخ ہوگئی تھی۔بنی اسرائیل کو تمام مخلوقات پر فضیلت دینا اس وقت کی بات ہے جب وہ صحیح معنوں میں اس زمین پر اللہ کے نائب اور خلیفہ تھے لیکن جب انہوں نے اپنے ربّ اور اپنے مالک کے احکامات سے منہ پھیر لیا اپنے انبیاء کی نافرمانی کرنے لگے اللہ نے جو ان پر انعامات کئے تھے ان کی ناشکری کی اور اللہ کے عہد اور اس کی سپرد کردہ ذمّہ داریوں کو پورا کرنا ترک کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے بھی فیصلہ فرما دیا کہ وہ ہمیشہ کے لئے مغضوب اور ذلیل وخوار رہوں گے اور ہمیشہ کی جلاوطنی اور در بدر پھرنا ان کیلئے مقدر کر دیا گیا۔

انہیں یاد دلایا جاتا ہے کہ ایک وقت وہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کے ان پر بڑے فضل وکرم تھے اور وہ دنیا کی افضل ترین قوم تھے یہ بات انہیں بطور ترغیب سنائی جارہی ہے کہ اب پھر ان کے لئے اپنا کھویا ہوا مقام حاصل کرنے کے مواقع ہیں انہیں چاہیے کہ وہ اس قافلہ ایمان میں شامل ہوجائیں اور تحریک اسلامی کا ساتھ دیں۔اللہ کے عہد میں دوبارہ داخل ہوجائیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کے آباؤاجداد کو جو فضیلت دی تھی اس کا شکر بھی ادا کریں اور مومنین کو جو مقام حاصل ہورہا ہے اس میں بھی شریک ہوجائیں۔اس ترغیب اور فضل وکرم کی یاددہانی کے ساتھ آنے والے دن سے بھی متنبہ کیا جاتا ہے کہ جس دن کوئی کسی کے کام نہیں آئے گا۔روزِ قیامت ہر شخص فرداً فرداً اپنے اعمال کا صلہ پائے گا وہاں حساب انفرادی ہوگا اور ہر شخص صرف اپنے اعمال کا جواب دہ ہوگا کوئی بھی شخص کسی کے کام نہ آسکے گا۔

یاد رہے کہ دنیا اور آخرت دونوں جگہ، شخصی مسئولیت اسلام کا ایک عظیم شہری اصول ہے یہ اصول انسان کے ارادے اور اختیار پر قائم ہے اسی کے مطابق اللہ تعالیٰ کی جانب سے عالمگیر عدل و انصاف ہوگا یہی وہ اصول ہے جو انسان کے اندر اسکے ذی شرف ہونے کا احساس پیدا کرتا ہے اور اس سے اس کے دل میں دائمی بیداری کا جذبہ موجزن ہوتا ہے یہ دونوں چیزیں انسان کی تہذیب اور تربیت کے لئے بے حد مفید ہیں نیز ان سے ان انسانی قدروں میں اضافہ ہوتا ہے جن کی بناء پر اسلام نے انسان کو اشرف المخلوقات کا مقام دیا ہے۔

سفارش پر تکیہ کرنا صریحاً بے وقوفی ہے

اس دن جو شخص ایمان اور عمل صالح کا توشہ لے کر نہ آئے اس کے حق میں کوئی سفارش نفع بخش نہیں ہوگی اور کفر و معصیت کی معافی کے لئے کوئی فدیہ نہ لیا جائے گا۔ اس دن انہیں عذاب الٰہی سے بچانے کے لئے کوئی مددگار نہ ہوگا۔ اس فقرے میں لفظ جمع سے سب کو مخاطب کیا گیا یعنی وہ تمام لوگ جو ایک دوسرے کے کام نہ آسکیں گے جن کی سفارش رد ہوگی اور جن سے فدیہ قبول نہیں کیا جائے گا ابتدائی آیت میں بنی اسرائیل کو مخاطب کیا گیا ہے کہ محض انبیاء کی اولاد ہونے کی بنا پر تم اپنے کرتوتوں کی سزا سے بچ نہ سکو گے۔ مگر آخر میں اسلوب کلام خطاب سے غائب کی جانب منتقل ہو گیا تا کہ یہ اصول عام ہو جائے اور وہ لوگ جن سے خطاب کیا جا رہا ہے ان کے ساتھ اس زمرے کے دوسرے لوگ بھی شامل ہو جائیں۔

یہ درست ہے کہ قیامت کے دن انبیاء اور صلحاء گنہگاروں کیلئے سفارش کریں گے لیکن اس سفارش کی شرائط ایسی ہیں کہ سفارش پر تکیہ کرنا مشکل ہے مثلاً یہ کہ سفارش وہی کریگا جسے اللہ تعالیٰ اجازت دیں گے اور اتنی ہی کر سکے گا جتنی اللہ تعالیٰ کی مرضی ہوگی، یا صرف اسی گناہ کیلئے سفارش کر سکے گا۔ جس کا اللہ کی طرف سے اذن ہوگا، اور صرف اسی شخص کے حق میں کر سکے گا جس کے حق میں سفارش کرنا منظور ہوگا۔

نیا سلسلہ کیوں بنایا گیا

(بانی سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ)

یہ موضوع نہایت ہی اہم ہے کیونکہ اس کا تعلق سلسلہ توحیدیہ کے بنیادی ہدف سے ہے۔ سلسلہ کے اغراض و مقاصد معلوم ہونے پر ہی ہم اپنی جدوجہد کی سمت متعین کر سکتے ہیں۔اس کی تشریح سے وہ فرائض نکھر کر سامنے آجائیں گے جو توحیدی ہونے کے ناطے ہم پر عائد ہوتے ہیں بانی سلسلہؒ نے چراغ راہ کے آٹھویں خطبے میں تحریر فرمایا ہے۔

"قوم کے عروج و زوال بلکہ زندگی اور موت کے ذمہ دار تو اعلیٰ طبقہ کے لوگ ہوتے ہیں۔ وہ دیانت داری، محنت اور خلوص سے محض ملک و قوم کے فائدے کے لئے کام کریں تو وہ قوم کبھی ذلیل و خوار نہیں ہو سکتی۔لیکن جب خود یہی لوگ بد دیانت، راشی، بدچلن، بدخلق اور مفاد پرست ہوں تو پھر قوم کا خدا ہی حافظ و ناصر ہے۔اس کا سفینہ اگر آج نہیں ڈوبا تو کل ضرور ڈوبے گا۔ میں نے آج (1972ء) سے پورے ساٹھ سال پہلے یہ بات محسوس کر لی تھی کہ ہماری قوم بڑی تیزی سے تباہی اور زوال کے غار کی طرف رواں دواں ہے۔اسی زمانہ سے میں دنیا کی مختلف قوموں کے عروج و زوال کی داستانیں تاریخ میں پڑھتا رہا۔پھر مدتوں اس بات پر غور کیا کہ قومیں کن وجوہات کی بناء پر بنتی اور بگڑتی ہیں اس کے بعد مسلمانوں کی اصلاح و ترقی اور احیاء ثانیہ کیلئے جتنی جماعتیں وجود میں آئیں ان کی تنظیم، مساعی اور طریق کار کا مطالعہ بنظر غائر کیا اور ان کی ناکامی کے اسباب معلوم کرنے کی کوشش کی۔پورے تیس سال کی جدوجہد اور کدو کاوش کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ ہم مسلمان، خواہ وہ کسی ملک کے بھی ہوں، مومن نہیں ہیں۔صرف مسلمان ہیں اور مسلمان بھی نام کے۔90فیصد مسلمان تو قرآن کریم کی تعلیم ہی سے واقف نہیں اس پر عمل کرنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہم قرآن کریم کی بجائے رسوم پرستی کو اسلام سمجھ رہے ہیں۔ ہم نے فرائض کو بھلا دیا ہے اور فروعات کو فرائض سے بھی زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔ ہم نماز اوّل

تو پڑھتے ہی نہیں اور اگر پڑھتے بھی ہیں تو یہ کبھی نہیں سوچتے کہ ہماری نمازوں سے ہمارے اخلاق کی کہاں تک اصلاح ہوئی ہے۔ہم نے کون کون سی برائیوں کو چھوڑا اور کون کون سی نیکیوں کو اختیار کیا ہے۔کیونکہ خدا نے تو نماز کی یہی تعریف کی ہے کہ نماز برائیوں اور ممنوعہ کاموں سے بچاتی اور نیک بناتی ہے۔اس کے علاوہ ہم کبھی غور نہیں کرتے کہ نماز میں خشوع وخضوع اور حضوری باری تعالیٰ کہاں تک تھی۔اگر نماز سے یہ فوائد حاصل نہیں ہوتے تو وہ کیا خاک نماز ہے؟ وہ تو ایک رسم ہے، محض رسم جو پانچ وقت ادا کر لی جاتی ہے۔ یہی حال دوسری عبادات کا ہے کہ محض رسماً ادا کر لی جاتی ہیں۔اس کے ساتھ میں نے یہ دیکھا کہ علمائے کرام میں جو لوگ واقعی متقی اور پرہیزگار ہیں ان کی باتوں میں بھی کوئی اثر نہیں ہوتا۔ان کی تقریر کے دوران لوگ ہنستے بھی ہیں اور ان کے دل میں اصلاح کا ولولہ بھی اٹھتا ہے لیکن جلسہ گاہ سے نکلتے ہی وہ سب کچھ بھول جاتے ہیں۔پھر میرا خیال ان صوفیائے کرام کی طرف گیا جو بخارا، ایران اور عراق سے چل کر اکیلے یا دو چار مریدوں کے ساتھ بالکل بے سروسامان انڈونیشیا، چین اور ترکستان یا ہندوستان آئے اور کسی شہر میں مقیم ہو کر خاموشی سے تبلیغ اسلام کرنے لگے اور دیکھتے ہی دیکھتے لاکھوں آدمیوں کو مسلمان بنالیا۔مدتوں ان کی زندگی اور اخلاق کا تجزیہ کرنے اور موجودہ سچے صوفیوں اور پھر خود اپنی حالت پر غور کرنے کے بعد مجھ پر یہ راز کھلا کہ ان بزرگوں کے پاس دو چیزیں ایسی ہوتی ہیں جو ان کے پاس بیٹھنے والوں کے دلوں کو موہ لیتی ہیں۔اور ان کی ذات کا والہ وشیدا بنا دیتی ہیں۔ان میں سے ایک تو ان کا اخلاق ہے اور دوسری چیز جو اخلاق سے بھی زیادہ موثر اور طاقتور ہے وہ روحانی طاقت ہے جو حرارت یا سوز وگداز کی صورت میں ان کے دل میں پیدا ہو جاتی ہے۔یہ دو چیزیں ایسی ہیں کہ وہ جس سے بات کرتے ہیں وہ نہایت غور سے ان کی بات سنتا اور جو کچھ کہتے ہیں اس پر بے چون وچرا عمل کرنے لگتا ہے۔یہ بات معلوم ہو جانے کے بعد میں نے خود اس کے تجربے کئے تو سو فیصد درست پائے۔اب میں نے "حلقۂ توحیدیہ" کی بنیاد ڈالی اور غیر مسلموں کو مسلمان بنانے کی بجائے خود مسلمانوں کے اخلاق کی اصلاح شروع کر دی۔اللہ کا لاکھ لاکھ شکر اور احسان ہے کہ میری محنت رائیگاں نہیں گئی"۔

آپؒ نے 1963ء میں لاہور میں منعقد ہونے والے پانچویں سالانہ اجتماع میں اپنے دوسرے خطبے کے آخر میں ارشاد فرمایا۔ "میں نے یہ سلسلہ کس غرض سے قائم کیا ہے میں آپ کو صحوی تصوف سکھانا اور انسان کامل بنانا چاہتا ہوں۔ میں یہ ہرگز نہیں چاہتا کہ آپ حقائق کو چھوڑ کر کوائف میں کھو جائیں۔ دنیا کا کوئی کام نہ کریں۔ توکل کی چادر اوڑھے شراب معرفت کے نشہ میں مست پڑے کرامتیں دکھایا کریں۔ میں جس راستہ پر آپ کو چلانا چاہتا ہوں وہ بالکل ہمارے سرکار ابد قرار احمد مختار ﷺ کے نقش قدم پر جاتا ہے جو کچھ میں کہتا ہوں اس کو رسول اللہ ﷺ کے اسوہ حسنہ سے ملا لو۔ اگر میں کہیں غلطی پر ہوں تو مجھے آگاہ کر دو۔ میں اپنے طریقے میں بڑی خوشی سے ترمیم کر لونگا۔ جو لوگ اس راستہ پر چلنا نہیں چاہتے ان کو چاہیے کہ حلقہ سے الگ ہو جائیں اور کسی ایسے سلسلہ میں شریک ہو جائیں جو ان کی خواہش اور مرضی کے مطابق ہو"۔

اسی طرح مرشد کامل نے اپنے نویں خطبہ میں عالم اسلام کی بے حسی کا سبب اور مردہ دلی کی وجوہات بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

"آخر یہ سب کچھ کیوں ہے؟ اس لئے اور محض اس لئے کہ توحید کی تعلیم غائب ہو چکی ہے اور اس کی جگہ غیر اللہ پرستی نے لے لی ہے۔ برادران حلقہ یہ کام آپ نے اپنے ہاتھ میں لیا ہے کہ توحید کی تعلیم کو پھر زندہ کریں اور اگر تمام عالم اسلام میں نہیں تو کم از کم پاکستانی مسلمانوں کے دل میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے عشق کی آگ کو اس طرح بھڑکائیں کہ غیر اللہ پرستیاں سب کی سب جل کر راکھ کا ڈھیر ہو جائیں۔ آپ کے سامنے ایک بہت بڑا کام ہے۔ اس کو معمولی کام نہ سمجھئے۔ یہ کام لوگوں کے مشرکانہ عقائد کی اصلاح کا کام ہے اور ہر انسان اپنے عقائد کو اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز رکھتا ہے۔ اور اصلاح کرنے والوں کی جان کا دشمن ہو جاتا ہے۔ قدم قدم پر مقابلہ کرتا اور رکاوٹیں ڈالتا ہے۔ اچھی طرح یاد رکھئے کہ آپ کو صرف عقائد ہی کی اصلاح نہیں کرنی بلکہ ان بیہودہ و فرسودہ رسوم کو بھی مٹانا ہے جو ہمارے معاشرہ کو گھن کی طرح کھائے جا رہی ہیں"۔

روحانی طاقت سے اصلاح کا طریق کار

"برادران حلقہ! آپ کو اصلاح کا کام کرنا ہے۔ اسلئے اپنے حلقہ کی تعلیم کے مطابق غصہ بالکل نفی کردو۔ قلب میں پاس انفاس کے ذریعہ روحانی طاقت کو بڑھاؤ۔ پھر دیکھو کہ تم کتنی جلدی کامیاب ہوتے ہو۔ اصلاح کرنے والوں کے لئے اپنی زبان پر قابو رکھنا بھی بہت ضروری ہے کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے کہ "اللہ کے راستے کی طرف حکمت اور حسین الفاظ میں نصیحت کر کے بلاؤ" اس کا مطلب یہ ہے کہ جس کی تم اصلاح کرنا چاہتے ہو اس کو اس کے کسی عیب کی وجہ سے ہرگز برا نہ کہو۔ بلکہ اس سے محبت اور شفقت سے پیش آؤ اور کوشش کرو کہ وہ تمہارا دوست بن جائے اور بار بار تمہارے پاس آنے لگے (جس طرح ایک ڈاکٹر بیماری سے نفرت کرتا ہے لیکن بیمار کا ہمدرد ہوتا ہے۔ اسی طرح اصلاح کرنے والوں کو برائی سے تو نفرت ہونی چاہیے لیکن برے آدمی سے ہرگز نہیں۔ اس پر تو دلی رحم آنا چاہیے کہ بیچارہ غفلت کی وجہ سے اپنی عاقبت برباد کر رہا ہے) اس کے علاوہ اصلاح کے لئے کبھی کسی پر کسی قسم کا اعتراض نہ کرو۔ اس کا ہر عیب اور ہر زیادتی برداشت کرو۔ بحث ہرگز نہ کرو۔ بحث سے سوائے تضیع اوقات کے کچھ حاصل نہیں ہوتا بلکہ یوں دلوں میں کدورت آجاتی ہے۔ اگر کوئی شخص بحث کرنے پر بہت ہی مصر ہو تو اس سے نہایت عاجزی سے معافی مانگو اور کہہ دو کہ ہمارے مسلک میں بحث قطعاً منع ہے۔ آپ اپنے مسلک پر چلتے رہیں، ہم خوش ہمارا خدا خوش۔ لیکن ہم کو ہمارے مسلک پر چلنے دو۔ آؤ باوجود ازیں ہم آپس میں دوست رہیں، یہ سب فروعی باتیں ہیں۔ اس کے لئے دلوں میں عناد کیوں پیدا کیا جائے" مگر یہ تم اسی وقت کہہ اور کر سکو گے جب کہ تم نے غصہ اچھی طرح نفی کر دیا ہو اور قوت برداشت بدرجہ اتم پیدا ہو گئی ہو۔ ہمارے حلقہ کی تعلیم کے مطابق اصلاح کا سب سے اچھا طریقہ یہ ہے کہ تم لوگوں سے نہایت محبت اور خلوص سے پیش آؤ۔ ظاہری اور بناوٹی محبت نہیں، حقیقی محبت کرو جیسا کہ تم کو بتایا اور سکھایا گیا ہے۔ عالمگیر محبت کو اپنا شعار بناؤ۔ اس لئے جس

سے بھی ملو حقیقی محبت کے جذبہ سے ملو۔ اگر کبھی ضرورت پڑے اور تم کو توفیق ہو تو چھوٹی موٹی کوئی خدمت لوگوں کی کردیا کرو اور دل میں یہ خواہش پیدا کرو کہ اس شخص کی اصلاح ہو جائے۔ اگر تم دل سے ایسا چاہو گے تو تمہارے قلب سے جو لہریں نکلیں گی اس کے دماغ کو متاثر کئے بغیر نہ رہیں گی۔ وہ رفتہ رفتہ تمہاری ہر بات ماننے لگے گا اور اس طرح اس کی اصلاح ہو جائے گی۔ اصلاح ہمیشہ اللہ کے واسطے کرنی چاہیے۔ تمہاری اپنی ذاتی غرض اس سے وابستہ نہ ہو۔ یعنی اس کام میں ذاتی مفاد یا اپنی فضیلت و بڑائی کا رائی برابر خیال دل میں نہ ہو۔ محض خداوند قدوس کے لئے اور امت اسلامیہ کی بہتری اور بہبود کے لئے کیا جائے" **(چراغ راہ)**

"اخلاق حسنہ پیدا کرنے کیلئے پہلی ضروری بات یہ ہے کہ تمام مخلوق خدا کے ساتھ ایک عالمگیر محبت کا جذبہ پیدا کرو۔ اور اپنے دل و دماغ اور روح کو محبت کے رنگ میں رنگ لو۔ اگر تم ولی اللہ بننا چاہتے ہو اور اگر تمہاری خواہش ہے کہ اللہ تمہارے ساتھ محبت کرے تو ضروری ہے کہ تم اس کی مخلوق سے محبت کرو۔ مجنوں تو لیلیٰ کے کتے سے بھی محبت کرتا تھا تم کیسے محبّ ہو کہ اپنے محبوب کی مخلوق سے بھی محبت نہیں کرتے"۔ (طریقت توحیدیہ صفحہ 55-56)

آپ خلوص و محبت کے ساتھ حلقہ کی تعلیم پر پوری پابندی سے عمل کرتے ہوئے پہلے کی نسبت اور زیادہ شوق اور جوش سے عمل کرو۔ عمل کرو اور عمل کرتے رہو۔ اپنی اور دوسرے مسلمانوں کی اصلاح کرو۔ دنیوی ترقی کیلئے نئی نئی راہیں نکالو اور ان پر عمل کرو۔ خلق خدا کی خدمت کرو۔ سب کے ساتھ محبت سے پیش آؤ۔ کتنی ہی تکلیفیں اور مصیبتیں آن پڑیں مایوس اور اداس مت ہو۔ ہمت نہ ہارو۔ ہمیشہ خوش رہا کرو۔ دل میں اللہ کو بسائے رکھو اور ہاتھ پاؤں، آنکھوں، کانوں اور زبان کو خدمت خلق میں لگائے رکھو۔ یہی دائمی مسرت اور حقیقی زندگی کا راز ہے

مرتے دم تک کام کرتے رہو اور خدا کی یاد میں مر جاؤ۔ تمہیں کیا خبر یہ کتنا بڑا کام ہے اور مرنے کے بعد اس کا کیا انعام ملے گا۔ اب میں آپ سے صرف ایک بات اور کہنا چاہتا ہوں

کہ آج تک آپ کو جو کچھ بتایا جا چکا ہے وہ سب قرآن وحدیث رسول کریم ﷺ سے ہے۔ میری اپنی طرف سے کچھ بھی نہیں ہے اگر آپ کا ایمان کامل ہے تو آپ ان باتوں کو افسانہ یا کہانی نہ سمجھیں گے بلکہ ٹھوس حقیقت جان کر ان پر عمل کریں گے۔ بشرطیکہ اپنی بہبودی اور بہتری کے دل سے طالب ہوں اور دین و دنیا کی نعمتوں سے اپنی جھولیاں بھرنا چاہتے ہوں۔ اگر آپ ان پر ایمان کامل رکھتے ہوئے بھی عمل نہ کریں تو پھر آپ سے زیادہ بد قسمت اور کون ہو سکتا ہے"۔ (چراغ راہ)

آپؒ نے ملتان میں منعقد ہونے والے گیارھویں سالانہ اجتماع میں فرمایا۔

"حضرت مجدد الف ثانیؒ نے اپنے زمانہ میں معاشرہ کی اصلاح کیلئے یہ طریقہ اختیار کیا تھا کہ پہلے خاموشی سے ایک جماعت اولیاء اللہ کی تیار کی اور پھر اس جماعت کے افراد کو امراء اور وزراء کے پاس بھیج کر ان کی اصلاح کرائی۔ جس کا فائدہ تاریخ کے صفحات سے آج بھی ثابت ہے۔ میں نے بھی وہی طریقہ اختیار کیا۔ 1950ء سے اب تک بزرگوں کی ایک جماعت پیدا کرنے میں لگا رہا ہوں۔ اب جب کہ ہماری جماعت میں اچھے بزرگوں اور اولیاء اللہ کی تعداد کافی ہوگئی ہے میں چاہتا ہوں کہ ہماری جماعت دیہات وامصار میں پھیل جائے اور دیہات کے لوگوں کی مذہبی اخلاقی او روحانی اصلاح کا کام شروع کر دے اس میں مشکل یہ درپیش ہے کہ ہمارے تمام بھائی کاروباری یا ملازمت پیشہ ہیں۔ اس وجہ سے باہر جا کر کام نہیں کر سکتے۔ یہ مجبوری ہے مگر باوجود اس کے ہم کو فوراً یہ کام شروع کر دینا چاہیے۔ ہمیں چاہیے کہ کچھ دن کی چھٹیاں لے کر دیہات میں جائیں اور وہاں توحید و روحانیت کا نور پھیلائیں۔ اسطرح سے جو کچھ تھوڑا بہت تجربہ ہم نے کیا ہے وہ بہت ہی حوصلہ افزاء ہے لوگ اس طرح گرتے ہیں جیسے شمع پر پروانے۔ دنیا ہماری منتظر ہے۔ شراب توحید وولایت کے طالب ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں تشنہ کام اور مایوس بیٹھے ہیں۔ اس لئے دوستو! اب آپ بلا تاخیر یہ کام شروع کر دیں اس سے بہتر دنیا میں کوئی عبادت اور نیک کام نہیں۔ کیا عجب بات ہے کہ رب کریم نے یہ عبادت ہمارے حلقہ کی تقدیر میں لکھی ہو کہ ہم بھولے بھٹکوں کو اللہ کا سیدھا اور سچا راستہ دکھائیں۔ ان کو نہ صرف

مسلمان بلکہ مومن اور ولی اللہ بنا دیں۔ اس طرح رفتہ رفتہ قرآن کریم کے بھلائے ہوئے سبق پھر یاد آ جائیں اور احیائے اسلام کا سہرا پاکستان کے سر رہے۔ امید بہت بڑی اور بضاعت بہت کم ہے۔ گو چھوٹا منہ اور بڑی بات ہے لیکن خلوص دل اور محنت سے کام کرنے والوں کو اللہ تبارک وتعالیٰ ضرور نوازتا اور فائز المرام فرماتا ہے" (چراغ راہ)

افکارِ شیخ سلسلہ قبلہ محمد صدیق ڈار صاحب

ہمارا یہ سلسلہ کوئی سیاسی یا معاشرتی جماعت نہیں ہے بلکہ یہ تو ایک خاص صوفیوں کی جماعت ہے۔ روحانی سلسلوں میں جب تک اپنے مرشد کی کامل اطاعت نہ کی جائے تصوف کا علم حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس لئے آپ اپنے مرشد کی ہدایات پر پوری دلجمعی کے ساتھ عمل کریں۔ روحانی فیض صرف محبت کے تاروں کے ذریعے منتقل ہوتا ہے۔ اس لئے کسی بزرگ سے فیض حاصل کرنے کیلئے ان کے ساتھ صرف عقیدت کا ہونا ہی کافی نہیں ہوتا بلکہ اس میں محبت کی چاشنی کا شامل ہونا بھی بہت ضروری ہوتا ہے۔ اسی طرح جس آدمی کی اصلاح کرنا مقصود ہو جب تک اس کیلئے پوری دلسوزی کے ساتھ خیر خواہی کا جذبہ آپ کے اندر کارفرما نہیں ہو گا اصلاح کا کام بارآور نہیں ہو سکے گا۔ آپ سب بھائیوں کو محبت کے جذبہ کو زیادہ سے زیادہ فروغ دینا چاہیے کیونکہ دل محبت ہی سے فتح کیے جاتے ہیں۔ اس اصول کو ہمیشہ مدنظر رکھیں کہ گناہ سے تو نفرت ہونی چاہیے لیکن گنہگار سے ہرگز نہیں۔ اگر ہم یہ اصلاح کا کام محض اللہ کی رضا کی خاطر سرانجام دیں اور اس میں ذاتی بزرگی کا خیال اور نام ونمود کی خواہش کی کوئی آمیزش نہ ہو تو اللہ تعالیٰ کی تائید ونصرت یقیناً ہمارے ساتھ ہو گی۔ کثرت ذکر سے دلوں میں روحانی قوت پیدا کریں اور محبت و صداقت اور خدمت انسانیت کے عظیم مقصد کا علم تھام کر پوری دلجمعی کے ساتھ اصلاح کا کام شروع کر دیں تا کہ چراغ سے چراغ جلتے چلے جائیں اور محبت کا فیض عام ہو جائے۔"

صِراطِ مُستقیم

(قبلہ محمد صدیق ڈار صاحب)

اللہ تعالیٰ نے انسان کو احسنِ تقویم یعنی بہترین صلاحیتوں کے ساتھ پیدا فرما کر اُس میں اپنی روح کا فیض ڈالا اور اِسے علم الاشیاء عطا فرما کر مسجودِ ملائکہ کا اعزاز بخشا۔ ان خصوصی فضائل کے ساتھ ساتھ اس پر ایک بہت بھاری ذمہ داری بھی ڈالی گئی۔ ایک امانت جس کو اُٹھانے سے زمین و آسمان اور پہاڑوں نے گریز کیا اِسے انسان کی خطر پسند طبیعت نے قبول کر لیا۔ اِس طرح اس نے اپنے آپ کو اعمال کا ذمہ دار اور جزا و سزا کا مستحق ٹھہرا لیا۔ اِسی طرح زندگی اس کیلئے آزمائش و اِبتلا کا دور بن گئی جس میں اِسے مادی لذات اور نفسانی خواہشات کی دلفریبیوں، متاعِ دُنیا کے دھوکوں اور اپنے سب سے بڑے دشمن شیطان کے ہتھکنڈوں سے بچنا ہے اور اللہ تعالیٰ کی بندگی کر کے صراطِ مستقیم پر چلتے ہوئے اُس کی محبت کو کمال تک پہنچانا اور اس کا قرب و دیدار حاصل کرنا ہے۔ یہ بات سمجھنے کی ہے کہ صراطِ مستقیم کسی پگڈنڈی یا لکیر کا نام نہیں بلکہ یہ شاہراہِ حیات ہے جسے **قَصْدُ السَّبِیْلِ** کہا گیا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی راہ ہے۔ یہ بندوں کو اللہ تعالیٰ سے ملانے والی راہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سارے رسولوں نے اِسی راہ پر چلنے کی دعوت دی۔ اللہ تعالیٰ کے انعام یافتہ لوگ اسی راہ پر چلے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہوا ہے:۔

وَکَذٰلِکَ اَوْحَیْنَا اِلَیْکَ رُوْحًامِّنْ اَمْرِنَا مَاکُنْتَ تَدْرِیْ مَالْکِتٰبُ وَلَا الْاِیْمَانُ وَلٰکِنْ جَعَلْنٰہُ نُوْرًا نَّھْدِیْ بِہٖ مَنْ نَّشَاءُ مِنْ عِبَادِنَا وَاِنَّکَ لَتَھْدِیْٓ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍo صِرَاطِ اللّٰہِ الَّذِیْ لَہٗ مَافِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ اَلَآ اِلَی اللّٰہِ تَصِیْرُ الْاُمُوْرُo (الشوریٰ:52-53)

”اور اِس طرح ہم نے آپ کی طرف اپنے امر سے رُوح وحی کی۔ آپ نہ جانتے تھے کہ کیا ہے کتاب اور نہ ایمان۔ لیکن ہم نے بنایا ہے اس کو نور جس سے ہم راہ سُجھا دیتے ہیں جس کو چاہیں

اپنے بندوں میں سے۔اور بے شک آپ رہنمائی کرتے ہیں صراطِ مستقیم کی طرف۔جو کہ راہ ہے اللہ کی۔اِسی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔جان لیں کہ اللہ ہی تک پہنچتے ہیں سب کام"۔

عالمِ ارواح میں اللہ تعالیٰ نے اولادِ آدم سے ایک اہم ترین بات کا عہد لیا جس پر ان کی حیاتِ ارضی کی کامیابی کا دارومدار تھا۔وہ عہد تھا کہ کیا مجھے اپنا رب یعنی آقا و مالک تسلیم کرتے ہو۔اِس عہدِ الست سے ہر انسان پابند ہو گیا کہ وہ زندگی میں اللہ تعالیٰ کو اپنا رب تسلیم کرلے اور پورے اخلاص کے ساتھ اس کا بندہ یعنی غلام بن کر اس کے دیئے ہوئے نظامِ حیات کے مطابق اپنی زندگی گزارے تاکہ اسے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہو جائے۔اگر انسان اپنے نفس کی خواہشات کی پیروی کرے گا تو یہ شیطان کی بندگی شمار ہو گی اور وہ راہ راست سے ہٹ جائے گا۔ مندرجہ ذیل آیت مبارکہ ملاحظہ فرمائیں تو واضح ہو جائے گا کہ یہ بات عہدِ الست کا ہی حصہ ہے۔

اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ o وَّاَنِ اعْبُدُوْنِيْ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ. (یٰسین:60-61)

"اے آدم کی اولاد کیا میں نے تم سے عہد نہ لیا تھا کہ شیطان کی بندگی نہ کرنا کہ بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔اور یہ کہ بندگی میری ہی کرنا یہی صراطِ مستقیم ہے"۔

اِسی حقیقت کو قرآن میں انبیاء علیہم السلام کی زبان سے کئی مقامات پر بیان کیا گیا ہے کہ

اَللّٰهُ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌo

(آل عمران:51،مریم:36،زخرف:64)

یعنی میرا بھی اور تمہارا بھی رب اللہ ہے۔اِسی کی بندگی کرو یہی صراطِ مُستقیم ہے۔اللہ ہی ساری کائنات کا رب ہے۔جس طرح زمین و آسمان اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اللہ کی اطاعت میں لگے ہوئے ہیں انسان کی کامیابی اِسی میں ہے کہ وہ بھی اپنے مالک اور محبوبِ حقیقی کے سامنے سرنگوں ہو جائے۔اللہ تعالیٰ کے دین کا بنیادی اصول اور دعوت کا مرکزی کلمہ ہمیشہ ایک ہی رہا۔چنانچہ سورۃ الانبیاء آیت نمبر 25 میں ارشاد ہوا ہے کہ "جو پیغمبر ہم نے آپ سے پہلے

بھیجے ان کی طرف یہی وحی بھیجی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں پس میری ہی بندگی کرو"۔ چنانچہ ہم سورۃ الاعراف میں دیکھتے ہیں کہ حضرت نوح (آیت ۔59) حضرت ھود (آیت ۔65) حضرت صالح (آیت ۔73) حضرت شعیب (آیت ۔85) علیہم السلام نے اپنی اپنی قوموں کو ایک ہی کلمہ سے دعوت دی جو یہ تھا:۔

یٰقَوْمِ اعْبُدُوْا اللّٰہَ مَالَکُمْ مِنْ اِلٰہٍ غَیْرُہٗo

"اے میری قوم اللہ کی بندگی کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں"۔

لیکن اولادِ آدم کا کیا ہی کہنا ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے صاحبِ ارادہ بنا کر اِنتخاب و اِختیار کی آزادی کی آزمائش میں ڈال دیا تو پھر اعمال میں اختلاف کا واقع ہونا ناگزیر تھا۔ ایک گروہ نے تو اللہ کی عطا کی ہوئی آزادی کو مادر پدر آزادی سمجھ لیا اور اللہ سے کئے ہوئے عہد و پیمان کو پس پشت ڈال کر اس دنیا ہی کے ہو کر رہ گئے۔ اُنہوں نے اللہ تعالیٰ کو بھلا دیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنا آپ بھلا دیا۔ اس طرح وہ بڑی آسانی سے ابلیس کی سینوں میں وسوسہ ڈالنے والی پوشیدہ سروس اور انسانی صورت میں اس کے خفیہ ایجنٹوں کا شکار ہو گئے۔ انہیں یاد ہی نہ رہا کہ ہمارے اللہ نے تربیت اور آزمائش کی خاطر ہمیں عارضی طور پر اس زمین پر بھیجا ہے اور آخر کار ہمیں اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہو کر اپنے اعمال کی جوابدہی کرنی ہے۔ ان کو گمراہی کے اندھیروں سے نکالنے کیلئے جب بھی اللہ تعالیٰ کا کوئی پیغمبر آیا تو ان بدبختوں نے اِسے صرف جھٹلایا ہی نہیں بلکہ طرح طرح کی اذیتیں دیکر ستایا بھی اور کئی ایک کو تو جان ہی سے مار ڈالا۔ اللہ تعالیٰ نے اظہارِ افسوس کرتے ہوئے فرمایا:۔

یٰحَسْرَۃً عَلَی الْعِبَادِ مَایَاْتِیْھِمْ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا کَانُوْا بِہٖ یَسْتَھْزِءُ وْنَ o (یٰسین:31)

"افسوس ہے بندوں پر۔ کہ جب بھی کوئی رسول ان کے پاس آیا تو اُنہوں نے اِس کا ٹھٹھا اُڑایا"

اگر بداعمالیوں کے سبب انسان کی فطرت مسخ اور دل ٹیڑھا یا زنگ آلود نہ ہو گیا ہو تو عہدِ الست

کےاثرات کی بناپر اس کے اندر وہ جذبہ زندہ رہتا ہے جو رسولوں کی دی ہوئی اس فطری دعوت پر کہ اپنے رب پر ایمان لاؤ میں کشش محسوس کرتا اور اسے قبول کر لیتا ہے۔قرآن کریم کی اس آیت پر ذرا غور فرمایئے:

مَالَكُمْ لَاتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ لِتُؤْمِنُوْا بِرَبِّكُمْ وَقَدْ اَخَذَ مِيْثَاقَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِيْنَo (الحدید۔8)

''تمہیں کیا ہو گیا کہ تم اللہ پر ایمان نہیں لاتے ہو اور رسول تمہیں تمہارے اپنے رب پر ایمان لانے کی دعوت دے رہا ہے اور اُس نے تم سے عہد بھی لے رکھا ہے اگر تم یقین کرو''۔

لیکن ہر ایک کے نصیب میں یہ سعادت کہاں کہ انبیاء کی دعوت پر ایمان لا کر اللہ سے کئے ہوئے عہد کو پورا کر لیتا اور فلاحِ دارین حاصل کر لیتا۔اللہ تعالیٰ نے میثاق الست کو توڑنے والوں اور اس سے وفا کرنے والوں کے بارے میں جو ارشاد فرمایا ان آیات کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:۔

''اور ہم نے اُن میں سے اکثروں میں عہد کا نباہ نہیں دیکھا اور اُن میں اکثروں کو بدکار ہی دیکھا''۔ (الاعراف:102)

''ہاں جو شخص اپنے عہد کو پورا کرے اور تقویٰ اختیار کرے تو اللہ متقین کو دوست رکھتا ہے۔ جو لوگ اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کو تھوڑی سی قیمت کے عوض بیچ ڈالتے ہیں اُن کا آخرت میں کچھ حصہ نہیں۔ان سے اللہ نہ تو کلام کرے گا اور نہ قیامت کے روز ان کی طرف نگاہ کرے گا اور نہ ان کو پاک کریگا۔اور ان کو دکھ دینے والا عذاب ہوگا''۔ (آل عمران:76-77)

'' جو اللہ کے عہد کو پورا کرتے ہیں اور میثاق کو نہیں توڑتے اور جن رشتہ ہائے قرابت کو جوڑے رکھنے کا اللہ نے حکم دیا ہے ان کو جوڑے رکھتے اور اپنے رب سے ڈرتے رہتے اور بُرے حساب سے خوف رکھتے ہیں۔اور جو مال ہم نے انکو دیا ہے اس میں سے پوشیدہ اور ظاہر خرچ کرتے ہیں۔اور نیکی سے برائی کو دور کرتے ہیں۔یہی لوگ ہیں جن کیلئے عاقبت کا گھر ہے۔یعنی

ہمیشہ رہنے کے باغات جن میں وہ داخل ہوں گے۔اور انکے باپ دادا اور بیبیوں اور اولاد میں سے جونیکوکار ہوں گے وہ بھی بہشت میں جائیں گے۔اور فرشتے ہر ایک دروازے سے اُن کے پاس آئیں گے اور کہیں گے تم پر رحمت ہو یہ تمہارے صبر کا بدلا ہے اور عاقبت کا گھر بہت خوب ہے۔اور جولوگ اللہ کے ساتھ کئے گئے عہد واثق کوتوڑ ڈالتے اور جن رشتہ ہائے قرابت کے جوڑے رکھنے کا اللہ نے حکم دیا ہے ان کو قطع کر دیتے ہیں اور ملک میں فساد کرتے ہیں ایسوں پر لعنت ہے اور اِنکے لئے گھر بھی برا ہے''۔　(الرعد:20تا25)

قرآن کریم کی ان آیات سے یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ کی بندگی میں زندگی گزارنے کا نام ہی صراط مستقیم پر چلنا ہے۔اور بندگی کا کمال ہی انسانیت کی معراج ہے۔سب سے اعلیٰ اور اُونچا مقام ''عبدیّت'' ہے جس پر ہمارے آقاوسردار، نبی رؤف و رحیم، رحمۃ اللعالمین سیدالانبیاء احمد مجتبےٰ محمد مصطفےٰ ﷺ فائز ہیں اور ہم میں سے ہر ایک اس حقیقت کی گواہی دیتا ہے۔

اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ ط

اللہ تعالیٰ کی بندگی والا راستہ ہی وہ سیدھا راستہ ہے جو بندے کو خدا تک پہنچاتا ہے اور جس پر چلنے کی دُعا نماز کی ہر رکعت میں کی جاتی ہے کیونکہ اِس پر چلنے ہی سے مومن اس زمرہ میں شامل ہوسکتا ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے انعام و اکرام فرمایا۔ہم پیچھے بیان کر آئے ہیں کہ صراط مستقیم اللہ تعالیٰ کا راستہ ہے اس کے علاوہ یہ بھی ارشاد ہوا ہے: **اِنَّ رَبِّىْ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ** (ھود:56) ''بے شک میرا رب صراط مستقیم پر ہے''۔

اِسی طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں فرمایا گیا۔

اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ o عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ o (یٰسین:2-3)

''بے شک آپ پیغمبروں میں سے ہیں اور صراط مستقیم پر ہیں''۔

اور آپ ہی کو **دَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ** بنا کر بھیجا گیا کہ بنی نوع انسان کو اللہ تعالیٰ کی طرف

بلائیں اور صراطِ مستقیم پر چلائیں۔

لیکن اللہ تعالیٰ کی بندگی کے اس سیدھے راستے میں بہت سے خطرات بھی پوشیدہ ہیں۔ کیونکہ اِسی راہ پر بنی نوع انسان کے ایک نظر نہ آنے والے ازلی دشمن یعنی شیطان نے جگہ جگہ ناکے لگا رکھے ہیں۔ اس نے اللہ تعالیٰ کے سامنے ہی اپنے عزم اور طریقہ واردات کا اعلان کرتے ہوئے کہا تھا:۔

قَالَ فَبِمَا اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ o ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ o (اعراف:16-17)

''شیطان نے کہا مجھے تو تُو نے ملعون کیا ہی ہے۔ میں بھی تیری صراطِ مستقیم پر اُن کو گمراہ کرنے کیلئے بیٹھوں گا۔ پھر ان کے آگے سے اور پیچھے سے اور دائیں اور بائیں سے آؤنگا۔ اور تو اُن میں سے اکثر کو شکر گزار نہیں پائے گا''۔

اس امر کی تشریح کرنے کیلئے حضور علیہ السلام نے ایک تنکے سے زمین پر ایک بڑی سی لکیر کھینچی اور فرمایا کہ یہ سیدھی راہ ہے جو اللہ کی طرف جاتی ہے پھر اس کو کاٹتی ہوئی کئی چھوٹی چھوٹی لکیریں لگائیں اور قرآن کریم کی یہ آیت تلاوت فرمائی: **وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ وَمِنْهَا جَآئِرٌ** (نحل:9) یعنی ''سیدھا راستہ تو اللہ تک جا پہنچتا ہے اور اس سے بعض ٹیڑھے راستے بھی نکلتے ہیں''۔ اور ان کے ہر موڑ پر انسان کو ورغلانے کیلئے شیطان بیٹھا ہے تاکہ اِسے صراطِ مستقیم سے ہٹا کر ٹیڑھے راستوں پر ڈال دے اور گمراہ کر دے۔

بابا جی قبلہ محمد صدیق ڈار صاحب کا مکتوب بنام محمد نذیر توحیدی

مورخہ 31.07.2001

اللہ تعالیٰ آپ کے مراتب بلند فرمائے اور دنیا کے امور بھی عزت کے ساتھ پورے کرنے کی توفیق سے نوازے۔آپ کو اپنے بیٹے کے بارے میں جو اشتیاق ہے۔اللہ تعالیٰ اسے آپ کی اُمیدوں پر پورا اترنے کی توفیق عطا فرمائے۔(آمین) آپ جس خلوص کے ساتھ اس کے مستقبل کیلئے دعائیں کرتے ہیں اللہ اپنی رحمت سے ضرور قبول فرمائے گا اور اسے آپکی آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان بنائے گا۔

نذیر بیٹے! سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی تعلیم قبلہ حضرت عبدالحکیم انصاریؒ نے اپنی کتابوں میں بڑی تفصیل کے ساتھ لکھ دی ہے۔پڑھنے کو تو سارے بھائی پڑھتے ہیں۔قرآن بھی پڑھتے ہیں لیکن جب تک اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے سینے کو نہ کھولے ایمان اس میں داخل نہیں ہوتا اور جب تک ایمان قلب میں داخل نہ ہو کام نہیں بنتا۔جب داخل ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی ساری باتیں صحیح سمجھ میں آنے لگتی ہیں پھر ان پر عمل کرنے میں لطف حاصل ہونے لگتا ہے۔سلسلہ کی تعلیم بڑی سہل العمل اور سریع الاثر ہے۔الحمدللہ آپ کو یہ بات سمجھ میں آ گئی ہے کہ ساری بزرگی بانی سلسلہ کی تعلیم پر عمل پیرا ہونے میں ہے۔پیر بھائیوں کے مزاجوں میں تھوڑا بہت فرق ہوتا ہے کچھ ان کے ذاتی رجحانات بھی ہوتے ہیں جس کی وجہ سے ان میں اختلاف نظر آتا ہے۔ہمیں ہمیشہ قرآن وسنت اور بانی سلسلہ کی ہدایات کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔باقی ہدایت تو اللہ کے ہاتھ میں ہے اگر وہ چاہے تو ہندو قوم کے زُعماء کے سینوں کو کھول کر ایمان کی ہدایت سے نواز دے۔ہمیں فی الحال اپنی قوم کی فکر ہے جو زبان سے اسلام و ایمان کا اقرار کرتی ہے لیکن عمل اس سے مختلف ہے۔ہم تو اپنے ان بھائیوں کی اصلاح و فلاح کیلئے جان گھلا رہے ہیں اور شعور رکھنے والے مسلمان کو اس ضمن میں حتی المقدور کوشش کرنی چاہیے۔

ذکر الٰہی کے فوائد

(ماخوذ: ذکر اجتماعی وجہری شریعت کے آئینہ میں)

ذکر اللہ سے سو سے زیادہ برکات ملتی ہیں اور ناوے قسم کی بلائیں دور ہوتی ہیں۔

جن میں سے کچھ حسب ذیل ہیں:

(۱) اطمینانِ قلب: اَلا بذکر اللہِ تطمئن القُلوبُ o

(۲) ذکر شیطان کو دفع کرتا ہے اور اس کی قوت کو توڑتا ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا سبب ہے۔

(۴) دل سے فکر وغم کو دور کرتا ہے۔

(۵) دل میں فرحت، سرور اور انبساط پیدا کرتا ہے۔

(۶) بدن اور دل کو قوت بخشتا ہے۔

(۷) چہرے اور دل کو منور کرتا ہے۔

(۸) رزق کو کھینچتا ہے۔

(۹) ذکر کرنیوالے کو ہیبت اور حلاوت کا لباس پہناتا ہے یعنی اس کے دیکھنے سے رعب پڑتا ہے اور دیکھنے والے کو حلاوت نصیب ہوتی ہے۔

(۱۰) اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا کرتا ہے اور محبت ہی اسلام کی روح اور دین کا مرکز ہے اور سعادت و نجات کا مدار ہے جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اللہ کی محبت تک اس کی رسائی ہو اس کو چاہیے کہ اللہ کے ذکر کی کثرت کرے جیسا کہ پڑھنا اور تکرار کرنا علم کا دروازہ ہے اسی طرح اللہ کا ذکر اسکی محبت کا دروازہ ہے۔

(۱۱) ذکر سے مراقبہ نصیب ہوتا ہے جو مرتبہ احسان تک پہنچا دیتا ہے یہی مرتبہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی عبادت ایسی نصیب ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے، یہی مرتبہ صوفیاء کا منتہائے مقصد ہوتا ہے۔

(۱۲)اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع پیدا کرتا ہے جس سے رفتہ رفتہ یہ نوبت آجاتی ہے کہ ہر چیز میں اللہ تعالیٰ اس کی جائے پناہ اور ماویٰ وملجا بن جاتے ہیں اور ہر مصیبت میں اسکی طرف توجہ ہوتی ہے۔

(۱۳)ذکر اللہ تعالیٰ کا قُرب پیدا کرتا ہے اور جتنا ذکر میں اضافہ ہوتا ہے اتنا ہی قرب میں اضافہ ہوتا ہے اور جتنی ذکر سے غفلت ہوتی ہے اتنی ہی اللہ سے دوری ہوتی ہے۔

(۱۴)اللہ تعالیٰ کی معرفت کا دروازہ کھولتا ہے۔

(۱۵)اللہ تعالیٰ کی ہیبت اور بڑائی دل میں پیدا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ حضوری پیدا کرتا ہے۔

(۱۶)اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ذکر کا سبب ہے چنانچہ کلام پاک میں ارشاد ہے " فاذکرونی اذکرکم۔" اور حدیث پاک میں وارد ہے "من ذَكَرَنيْ فِيْ نَفْسِيْ ذِكرتهٗ فِيْ نَفْسي.

(الحديث)

(۱۷)دل کو زندہ کرتا ہے، حافظ ابن تیمیہؒ کہتے ہیں کہ اللہ کا ذکر دل کیلئے ایسا ہے جیسے مچھلی کیلئے پانی، خودغور کرلو کہ بغیر پانی کے مچھلی کا کیا حال ہوتا ہے۔

(۱۸) دل اور روح کی خوراک ہے اگر ان دونوں کو اپنی خوراک نہ ملے تو ایسا ہے جیسا بدن کو اس کی خوراک نہ ملے۔

(۱۹) ۔ذکر دل کو زنگ سے صاف کرتا ہے جیسا کہ حدیث میں بھی وارد ہوا ہے، ہر چیز پر زنگ اور میل کچیل لگ جاتا ہے۔دل کا میل اور زنگ خواہشات اور غفلت ہے ذکر اس کے لئے صفائی کا کام دیتا ہے۔

(۲۰) لغزشوں اور خطاؤں کو دور کرتا ہے۔

(۲۱)غافل کے دل پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحشت رہتی ہے جو ذکر ہی سے دور ہوتی ہے۔

(۲۲)جو اذکار بندہ کرتا ہے وہ عرش کے چاروں طرف بندہ کا ذکر کرتے رہتے ہیں۔

(۲۴)اللہ کے عذاب سے نجات کا ذریعہ ہے۔

(۲۵) سکینہ اور رحمت کے اترنے کا سبب ہے اور فرشتے ذکر کرنے والے کو گھیر لیتے ہیں،

سکینہ کے معنی ہیں سکون اور خاص رحمت ۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ یہ کوئی ایسی مخصوص چیز ہے جس میں طمانیت و رحمت وغیرہ سب کچھ شامل ہیں اور ملائکہ کے ساتھ اترتی ہے ۔

(۲۶) اس کی برکت سے زبان چغل خوری، جھوٹ، بدگوئی اور لغوگوئی سے محفوظ رہتی ہے، چنانچہ تجربہ اور مشاہدہ سے ثابت ہے کہ جس شخص کی زبان اللہ کے ذکر کی عادی ہو جاتی ہے وہ ان اشیاء سے عموماً محفوظ رہتا ہے اور جس کی زبان عادی نہیں ہوتی ہر نوع کی لغویات میں مبتلا رہتا ہے ۔

(۲۷) ذکر کی محفلوں میں فرشتوں کا نزول ہوتا ہے اور لغویات اور غفلت کی محافل شیطان کی محافل ہیں ۔ اب آدمی کو اختیار ہے کہ جس قسم کی مجلس کو چاہے پسند کرے اور ہر شخص اسی کو پسند کرتا ہے جس سے مناسبت رکھتا ہے ۔

(۲۸) ذکر کی وجہ سے ذکر کرنے والا بھی سعید ہوتا ہے اور اس کے پاس بیٹھنے والا بھی ۔

(۲۹) ذکر کرنے والا قیامت کے دن حسرت سے محفوظ رہتا ہے اس لئے کہ حدیث میں آیا ہے کہ ہر وہ مجلس جس میں اللہ کا ذکر نہ ہو قیامت کے دن حسرت اور نقصان کا سبب ہے ۔

(۳۰) ذکر کے ساتھ اگر رقت قلبی نصیب ہو جائے تو روز قیامت ذاکر عرش کے سایہ میں ہوگا جبکہ اس دن کی تپش اور گرمی میں ہر شخص میدان حشر میں بلبلا رہا ہوگا ۔

(۳۱) ذکر میں مشغول رہنے والوں کو ان سب سے زیادہ ملتا ہے جو دعائیں مانگنے والوں کو ملتا ہے حدیث میں اللہ تعالیٰ کا فرمان نقل کیا گیا ہے کہ "جس شخص کو میرے ذکر نے دعا سے روک دیا اس کو میں دعائیں مانگنے والوں سے افضل عطا کرونگا" ۔

(۳۲) اللہ کا ذکر باوجود سہل ترین عبادت ہونے کے تمام عبادتوں سے افضل ہے ۔ اس لئے کہ زبان کو حرکت دینا بدن کے تمام اعضاء کو حرکت دینے سے سہل ہے ۔

(۳۳) اللہ کا ذکر جنت کے پودے ہیں ۔

(۳۴) جس قدر بخشش اور انعام کا وعدہ اس پر ہے اتنا کسی اور عمل پر نہیں ہے ۔

بہت سی احادیث ہیں جن سے ذکر کا افضل اعمال ہونا معلوم ہوتا ہے ۔

(۳۵) دوام ذکر کی بدولت اپنے نفس کو بھولنے سے امن نصیب ہوتا ہے۔ جو سبب ہے دارین کی شقاوت کا، اس لئے کہ اللہ کی یاد کو بھلا دینا سبب ہوتا ہے خود اپنے نفس کو بھلا دینے کا اور اپنے تمام مصالح کے بھلا دینے کا۔ ارشادِ خداوندی ہے۔"تم ان لوگوں کی طرح نہ ہوجانا جنہوں نے اللہ کو بھلا دیا (بے پرواہی کی) پس اللہ نے ان کو اپنی جانوں سے بے پرواہ کردیا یعنی انکی عقل ایسی ماردی گئی کہ اپنے حقیقی نفع کو نہ سمجھا اور جب آدمی اپنے نفس کو بھلا دیتا ہے تو اس کی مصالح سے غافل ہوجاتا ہے اور یہ ہلاکت کا سبب بن جاتا ہے جیسے کسی شخص کی کھیتی یا باغ ہو اور اس کو بھول جائے اس کی خبر گیری نہ کرے تو لامحالہ وہ ضائع ہوگا اور اس سے امن جب ہی مل سکتا ہے جب اللہ کے ذکر سے زبان کو ہر وقت تر و تازہ رکھے اور ذکر اس کو ایسا محبوب ہوجائے جیسا کہ پیاس کی شدت کے وقت پانی اور بھوک کے وقت کھانا اور گرمی اور سخت سردی کے وقت مکان اور لباس بلکہ اللہ کا ذکر اس سے زیادہ کا مستحق ہے اس لئے ان اشیاء کے نہ ہونے سے بدن کی ہلاکت ہے جو روح کی اور دل کی ہلاکت کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہے۔

(۳۶) ذاکر آدمی ترقی کرتا رہتا ہے بستر پر بھی اور بازار میں بھی، صحت میں بھی اور بیماری میں بھی، نعمتوں اور لذتوں کے ساتھ مشغولی میں بھی اور کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو ہر وقت ترقی کا سبب بنتی ہو حتیٰ کہ جس کا دل نورِ ذکر سے منور ہوجاتا ہے وہ سوتا ہوا بھی غافل شب بیداروں سے بڑھ کر ہوجاتا ہے۔

(۳۷) ذکر کا نور دنیا میں ساتھ رہتا ہے اور قبر میں بھی ساتھ رہتا ہے اور آخرت میں پل صراط پر آگے چلتا ہے۔ مومن بندوں کے نیک اعمال ایسی حالت میں آسمان پر جاتے ہیں کہ ان پر آفتاب جیسا نور ہوتا ہے اور ذکر کا نور ان کے چہروں پر قیامت کے دن عیاں ہوگا۔

(۳۸) ذکر تصوّف کا اصل اصول ہے اور تمام صوفیاء کرام کے سب طریقوں میں رائج ہے جس شخص کے لئے ذکر کا دروازہ کھل گیا اسکے لئے اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا دروازہ کھل گیا اور جو اللہ تعالیٰ تک پہنچ گیا وہ جو چاہتا ہے پاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پاس کسی بھی چیز کی کمی نہیں ہے۔

(۳۹) آدمی کے دل میں ایک گوشہ ہے جو اللہ کے ذکر کے علاوہ کسی چیز سے بھی پُر نہیں ہوتا اور جب ذکر دل پر مسلط ہو جاتا ہے تو وہ نہ صرف اس گوشہ کو پُر کرتا ہے بلکہ ذکر کرنے والے کو بغیر مال کے غنی کر دیتا ہے۔

(۴۰) ذکر مومن کے دل پر جو متفرق غم، تفکرات اور پریشانیاں ہوتی ہیں ان کو دور کر کے جمعیت خاطر پیدا کرتا ہے۔

(۴۱) ذکر مومن کے دل کو نیند سے جگاتا ہے، غفلت سے چوکنا کرتا ہے اور دل جب تک سوتا رہتا ہے اپنے سارے ہی منافع کھوتا رہتا ہے۔

(۴۲) ذکر ایک درخت ہے جس پر معارف کے پھول لگتے ہیں صوفیاء کرام کے اصطلاح میں احوال اور مقامات کے پھل لگتے ہیں اور جتنی بھی ذکر کی کثرت ہوگی اتنی ہی اس درخت کی جڑ مضبوط ہوگی اتنے ہی زیادہ پھل اس پر آئیں گے۔

(۴۳) ذکر اللہ تعالیٰ کے قریب کر دیتا ہے حتیٰ کہ اللہ کے ساتھ معیت نصیب ہو جاتی ہے جس کے برابر کوئی معیت نہیں، نہ وہ زبان سے تعبیر ہو سکتی ہے نہ تحریر میں آسکتی ہے۔ حدیث میں وارد ہے کہ "میں اپنے بندے کے ساتھ رہتا ہوں جب تک وہ میرا ذکر کرتا رہے۔" ایک اور حدیث میں ہے "میرا ذکر کرنے والے میرے آدمی ہیں، ان کو اپنی رحمت سے دور نہیں کرتا اگر وہ اپنے گناہوں سے توبہ کرتے رہیں تو میں ان کا حبیب ہوں اور اگر وہ توبہ نہ کریں تو میں ان کا طبیب ہوں کہ ان کو پریشانیوں میں مبتلا کرتا ہوں تاکہ ان کو گناہوں سے پاک کردوں۔

(۴۴) ذکر غلاموں کے آزاد کرنے، اللہ تعالیٰ کے راستے میں مال کے خرچ کرنے اور اس کے راستے میں جہاد کے برابر ہے۔

(۴۵) ذکر شکر کی جڑ ہے جو اللہ کا ذکر نہیں کرتا وہ شکر بھی ادا نہیں کرتا۔

(۴۶) اللہ کے نزدیک پرہیز گار لوگوں میں زیادہ معزز وہ لوگ ہیں جو ذکر میں ہر وقت مشغول رہتے ہیں اس لئے کہ تقویٰ کا منتہا جنت ہے اور ذکر کا منتہا اللہ کی معیت ہے۔

(۴۷) دل میں ایک خاص قسم کی قساوت (سختی) ہے جو ذکر کے علاوہ کسی چیز سے بھی نرم نہیں ہوتی۔

(۴۸) ذکر دل کی بیماریوں کا علاج ہے۔

(۴۹) ذکر اللہ کے ساتھ دوستی کی جڑ ہے اور ذکر سے غفلت اس کے ساتھ دشمنی کی جڑ۔

(۵۰) اللہ کے ذکر کے برابر کوئی چیز نعمتوں کو کھینچنے والی اور اللہ کے عذاب سے ہٹانے والی نہیں ہے۔

(۵۱) ذکر کرنے والے پر اللہ تعالیٰ کی رحمت اور فرشتوں کی صلوٰۃ (دُعا) ہوتی ہے۔

(۵۲) جو شخص یہ چاہے کہ دنیا میں رہتے ہوئے بھی جنت کے باغوں میں رہے وہ ذکر کی مجالس میں بیٹھے کیونکہ یہ مجالس جنت کے باغ ہیں۔ (۵۳) ذکر کی مجلسیں فرشتوں کی مجلسیں ہیں۔

(۵۴) اللہ تعالیٰ فرشتوں کے سامنے ذکر کرنے والوں پر فخر کرتے ہیں۔

(۵۵) ذکر پر مداومت (دائمی) کرنے والا جنت میں ہنستا ہوا داخل ہوگا۔

(۵۶) تمام اعمال اللہ کے ذکر ہی کے واسطے مقرر کئے گئے ہیں۔

(۵۷) تمام اعمال میں وہی عمل افضل ہے جس میں ذکر کثرت سے کیا جائے، روزوں میں وہ روزہ افضل ہے، جس میں ذکر کی کثرت ہو، حج میں وہ حج افضل ہے جس میں ذکر کی کثرت ہو۔

(۵۸) ذکر دوسری نفلی عبادات کا قائم مقام ہے، چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ فقراء نے حضورﷺ سے شکایت کی کہ یہ مالدار لوگ بڑے بڑے درجے حاصل کرتے ہیں، یہ روزے نماز میں ہمارے شریک ہیں اور اپنے مالوں کی وجہ سے حج، عمرہ اور جہاد میں ہم سے سبقت لے جاتے ہیں حضورﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں تمہیں ایسی چیز بتاؤں جس سے کوئی شخص تم تک نہ پہنچ سکے مگر وہ شخص جو یہ عمل کرے، اس کے بعد حضورﷺ نے ہر نماز کے بعد سبحان اللہ، الحمد اللہ، اللہ اکبر پڑھنے کو کہا اور آپﷺ نے اسے حج، عمرہ اور جہاد وغیرہ ہر عبادت کا بدل قرار دیا۔

(۵۹) ذکر دوسری عبادات کے لئے بڑا معین و مددگار ہے کہ اس کی کثرت سے ہر عبادت محبوب بن جاتی ہے اور عبادات میں لذت آنے لگتی ہے اور کسی عبادت میں بھی مشقت اور بار نہیں رہتا۔

(۶۰) ذکر کی وجہ سے ہر مشقت آسان ہو جاتی ہے اور ہر دشوار چیز سہل بن جاتی ہے اور ہر قسم کے

بوجھ میں کمی ہو جاتی ہے اور ہر مصیبت زائل ہو جاتی ہے۔

(۶۱) ذکر کی وجہ سے دل سے خوف وہراس دور ہو جاتا ہے ڈر کے مقام پر اطمینان پیدا کرتا ہے

(۶۲) ذکر کی وجہ سے آدمی میں ایک خاص قوت پیدا ہوتی ہے پھر ذاکر سے ایسے کام صادر ہونے لگتے ہیں جو دشوار نظر آتے تھے۔

(۶۳) آخرت کیلئے کام کرنے والے سب دوڑ رہے ہیں اور اس دوڑ میں ذاکرین کی جماعت سب سے آگے ہے۔ عمر مولی غفرہ سے نقل کیا گیا ہے کہ قیامت میں جب لوگوں کو اعمال کا ثواب ملے گا تو بہت سے لوگ اس وقت حسرت کریں گے کہ ہم نے ذکر کا اہتمام کیوں نہیں کیا کہ سب سے زیادہ سہل عمل تھا۔ ایک حدیث میں حضور ﷺ کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ مفرد لوگ آگے بڑھ گئے۔ صحابہ نے عرض کیا کہ مفرد لوگ کون ہیں؟ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ذکر پر مر مٹنے والے کہ ذکر ان کے بوجھوں کو ہلکا کر دیتا ہے۔

(۶۴) ذکر کرنے والے کی اللہ تعالیٰ تصدیق کرتے ہیں اور اس کو سچا بتاتے ہیں اور جس شخص کو اللہ تعالیٰ خود سچا بتائیں اس کا حشر جھوٹوں کے ساتھ نہیں ہو سکتا۔ حدیث میں آیا ہے کہ جب بندہ کہتا ہے **لا الٰہ الا اللہ و اللہ اکبر** تو حق تعالیٰ شانہ فرماتے ہیں میرے بندے نے سچ کہا میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور میں سب سے بڑا ہوں۔

(۶۵) ذکر سے جنت میں گھر تعمیر ہوتے ہیں جب بندہ ذکر سے رک جاتا ہے تو فرشتے تعمیر سے رک جاتے ہیں، جب ان سے کہا جاتا ہے کہ فلاں تعمیر کو تم نے کیوں روک دیا تو وہ کہتے ہیں کہ اس تعمیر کا خرچ ابھی تک نہیں آیا ہے جو شخص **سبحان اللہ و بحمدہ سبحان اللہ العظیم** سات مرتبہ پڑھے ایک گنبد اس کے لئے جنت میں تعمیر ہو جاتا ہے۔

(۶۶) ذکر جہنم کے لئے آڑ ہے اگر کوئی مسلمان بدعملی کی وجہ سے جہنم کا مستحق ہو جائے تو ذکر درمیان میں آڑ بن جاتا ہے اور جتنی ذکر کی کثرت ہوگی اتنی پختہ آڑ ہوگی۔

(۶۷) ذکر کرنے والے کیلئے فرشتے استغفار کرتے ہیں۔

(۶۸) جس پہاڑ پر یا میدان میں اللہ کا ذکر کیا جائے وہ فخر کرتے ہیں۔حدیث میں آیا ہے کہ پہاڑ دوسرے پہاڑ کو آواز دیکر پوچھتا ہے کہ کوئی ذکر کرنے والا آج تجھ پر سے گزرا ہے اگر وہ کہتا ہے گزرا ہے تو وہ خوش ہوتا ہے۔

(۶۹) ذکر کی کثرت نفاق سے بری ہونے کا اطمینان (سند) ہے کیونکہ اللہ تعالٰی نے منافقوں کی صفت یہ بیان کی ہے کہ "لا یذکرون الا قلیلا" نہیں ذکر کرتے مگر تھوڑا سا۔

(۷۰) تمام نیک اعمال کے مقابلے میں ذکر کیلئے ایک خاص لذت ہے جو کسی عمل میں بھی نہیں پائی جاتی۔

(۷۱) ذکر کرنے والوں کے چہرے پر دنیا میں رونق اور آخرت میں نور ہوگا۔

(۷۲) جو شخص راستوں میں گھروں میں،سفر میں،حضر میں کثرت سے ذکر کرے قیامت میں اس کی گواہی دینے والے کثرت سے ہونگے۔

(۷۳) زبان جتنی دیر ذکر میں مشغول رہے گی لغویات،جھوٹ اور غیبت وغیرہ سے محفوظ رہے گی اس لئے کہ زبان چپ تو رہتی ہی نہیں یا ذکر اللہ میں مشغول ہوگی ورنہ لغویات میں۔اسی طرح دل کا حال ہے کہ اگر اللہ کی محبت میں مشغول نہ ہوگا تو مخلوق کی محبت میں مبتلا ہوگا۔

(۷۴) شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے اور ہر طرح سے انسان کو وحشت میں ڈالتا رہتا ہے ہر وقت شیاطین مومن کا محاصرہ کیے رہتے ہیں۔

(استفادہ از فضائل اعمال،الوابل،الصیب،رسالہ ذکر اللہ)

بشکریہ زم زم پبلشرز

ولادت باسعادت سرورِدوعالم ﷺ

(مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ)

ہم مسلمان حضرت محمد ﷺ کو "سرورِعالم" کہتے ہیں سیدھی سادی زبان میں اس کا مطلب ہے "دنیا کا سردار" ۔بظاہر یہ بہت بڑا خطاب ہے، مگر جس بلند پایہ ہستی کو یہ خطاب دیا گیا ہے اس کا کارنامہ واقعی ایسا ہے کہ اس کو سرورعالم ﷺ کہنا مبالغہ نہیں عین حقیقت ہے ۔

ایک محبّ وطن یا ایک قوم پرست لیڈر کی آپ اس حیثیت سے جتنی چاہیں قدر کرلیں کہ جس نے اپنے لوگوں کی بڑی خدمت کی، لیکن اگر آپ اس کے ہم وطن یا ہم قوم نہیں ہیں تو وہ آپ کا لیڈر بہر حال نہیں ہوسکتا۔جس شخص کی محبت، خیر خواہی کارگزاری سب کچھ چین یا ہسپانیہ تک محدود ہو، ایک ہندوستانی کو اس سے کیا تعلق کہ اسے اپنا لیڈر مانے ؟ ۔ بلکہ اگر وہ اپنی قوم کو دوسروں سے افضل ٹھہراتا ہو۔دوسروں کو گرا کر اپنی قوم کو چڑھانا چاہتا ہو تب تو دوسری قوم کے لوگ الٹا اس سے نفرت کرنے پر مجبور ہیں ۔ساری قوموں کے انسان کسی ایک شخص کو اپنا لیڈر صرف اسی صورت میں مان سکتے ہیں جبکہ اس کی نگاہ میں سب قومیں، سب آدمی یکساں ہوں، وہ سب کا یکساں خیر خواہ ہو، اور اپنی خیر خواہی میں کسی طرح ایک کو دوسرے پر ترجیح نہ دے۔

دوسری اہم شرط جو دنیا کا لیڈر رہونے کیلئے ضروری ہے وہ یہ ہے کہ اس نے ایسے اصول پیش کئے ہوں جو دنیا کے انسانوں کی رہنمائی کرتے ہوں اور جن میں انسانی زندگی کے تمام اہم مسائل کا حل موجود ہو۔لیڈر کی ضرورت ہوتی ہی اسی لئے ہے کہ وہ فلاح اور بہتری کا راستہ بتائے ۔لہذا دنیا کا لیڈر وہی ہوسکتا ہے جو ساری دنیا کے انسانوں کو ایسا طریقہ بتائے جس میں سب کی فلاح ہو۔

تیسری لازمی شرط دنیا کا لیڈر رہونے کیلئے یہ ہے کہ اس کی رہنمائی کسی خاص زمانے کیلئے نہ ہو بلکہ ہر زمانے اور ہر حال میں یکساں مفید ، یکساں صحیح اور قابل پیروی ہو ۔

جس لیڈر کی رہنمائی ایک زمانے میں کارآمد اور دوسرے زمانے میں بے کار ہو اس کو دنیا کا لیڈر نہیں کہا جا سکتا۔ دنیا کا لیڈر تو وہی ہے کہ دنیا جب تک قائم رہے اس کی رہنمائی بھی کارآمد رہے۔

چوتھی اہم ترین شرط یہ ہے کہ اس نے صرف اصول پیش کرنے پر ہی اکتفا نہ کیا ہو بلکہ اپنے پیش کردہ اصولوں کو زندگی میں عملاً جاری کر کے دکھایا ہو اور ان کی بنیاد پر ایک جیتی جاگتی سوسائٹی پیدا کر دی ہو۔ محض اصول پیش کرنے والا زیادہ سے زیادہ ایک مفکر ہو سکتا ہے، لیڈر نہیں ہو سکتا۔ لیڈر ہونے کیلئے ضروری ہے کہ آدمی اپنے اصولوں کو عمل میں لا کر دکھائے۔

حضرت محمد ﷺ کی زندگی کا مطالعہ کریں تو ایک ہی نظر میں محسوس کر لیں گے کہ یہ کسی قوم پرست یا محبِّ وطن کی زندگی نہیں ہے بلکہ ایک محبِّ انسانیت اور ایک عالمگیر نظریہ رکھنے والے انسان کی زندگی ہے۔ آپ ﷺ کی نگاہ میں تمام انسان یکساں تھے۔ کسی خاندان، کسی طبقے کسی قوم، کسی نسل یا کسی ملک کے خاص مفاد سے انہیں دلچسپی نہ تھی۔

امیر اور غریب، اونچ نیچ، کالے اور گورے، عرب اور غیر عرب، آپ ﷺ سب کو اس حیثیت سے دیکھتے تھے کہ یہ سب ایک ہی انسانی نسل کے افراد ہیں۔ ان کی زندگی ہی میں حبشی، ایرانی، رومی، مصری، اسرائیلی اسی طرح ان کے رفیق کار بنے جس طرح عرب۔ اور اس کے بعد زمین کے ہر گوشہ میں، ہر نسل، ہر قوم کے انسانوں نے آپ ﷺ کو اسی طرح اپنا رہنما تسلیم کیا جس طرح خود ان کی اپنی قوم نے۔ یہ خالص انسانیت کا کرشمہ ہے۔ حضور ﷺ نے مخصوص قوموں اور مخصوص ملکوں کے وقتی اور مقامی مسائل سے بحث کرنے میں اپنا وقت ضائع نہیں کیا بلکہ اپنی پوری قوت دنیا میں انسانیت کے اس بڑے مسئلے کو حل کرنے میں صرف کر دی جس سے تمام انسانوں کے سارے چھوٹے چھوٹے مسائل خود حل ہو جاتے ہیں۔

چودہ سو برس پہلے جب حضور ﷺ دنیا میں تشریف لائے تو اس وقت خود اُن کا وطن اخلاقی پستی، بدنظمی اور بدامنی کی انتہا کو پہنچا ہوا تھا۔ قرآن میں اس وقت کی حالت پر ان الفاظ پر تبصرہ فرمایا ہے کہ "تم آگ سے بھرے ہوئے ایک گڑھے کے کنارے کھڑے تھے جس سے اللہ نے بچایا۔"

آپ ﷺ تمام انسانوں کیلئے رحمت بن کرآئے اور وہ اصول اپنے ساتھ لائے جس کی پیروی میں ہرفردِانسانی، ہرقوم وملک، اورتمام نوعِ انسان کے لئے یکساں فلاح اورسلامتی ہے۔تیئس برس کےاندرانہوں نے نہ صرف عرب کوبدل ڈالا بلکہ ان کی رہنمائی میں عرب سے جوتحریک اُٹھی تھی اس نے ایک چوتھائی صدی کے اندرہندوستان کی سرحدوں سے شمالی افریقہ تک دنیا کےایک بڑے حصّے کواخلاق،تمدن،معیشت،سیاست،غرض ہرشعبہ زندگی میں درست کرکےرکھ دیا۔

سب سے پہلی چیز جس پرانہوں نے زوردیا یہ تھی کہ تمام انسان صرف خدائے واحدکو اپنا آقا، مالک،معبوداورحاکم تسلیم کریں اوراللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی بندگی قبول نہ کریں۔صرف مذہب کےمحدوددائرے ہی میں نہیں بلکہ زندگی کےسارےمعاملات میں تنہااللہ کےاقتداراعلیٰ کے آگے جھک جائیں۔حضورﷺ نے انسان کاتصورہی یہ پیش کیا کہ وہ زمین پراللہ کا خلیفہ یا نائب ہے،اس کوجس قدراورجس حیثیت میں بھی کچھ اختیارات حاصل ہیں دراصل وہ اسکے ذاتی اختیار نہیں ہیں بلکہ اللہ کے دیئے ہوئے ہیں اوران کےاستعمال میں بالآخراللہ کے سامنے جوابدہ ہے۔خداکےسوا کسی اورکوصاحب اختیاروااقتدارماننااوراس سےخوف یالالچ رکھنااس کی آقائی کے آگے جھک جانا بھی حقیقت کے خلاف ہے، کیونکہ فی الحقیقت اس پوری کائنات میں اللہ کے سوا کوئی بھی یہ حیثیت نہیں رکھتا۔

خدائی اقتداراعلیٰ اورانسانی خلافت کی بنیادوں پرحضورﷺ نے نوعِ انسانی کے درمیان منصفانہ وحدت واتفاق کا وہ رشتہ فراہم کیا جوکسی دوسرے ذریعہ سے پیدانہیں ہوسکتا، نسل،نسب،زبان،رنگ،وطن،معاشی مفاداوردوسری جتنی چیزیں سوسائٹی کی بنیادپرمبنی ہیں وہ لازمی طورپرانسانوں کومختلف گروہوں میں تقسیم کرکےایک دوسرے کامدِمقابل بنادیتی ہیں۔ انکی موافقت ہوتی بھی ہےتواغراض کی بناءپرایک ناپائیدارعارضی موافقت ہوتی ہے۔کشمکش اور جنگ اس تقسیم کی عین فطرت میں داخل ہے۔

اجتماعی اصلاح کے ہرنقشہ کادارومداربالآخرافرادہی پرجاکرٹھہرتا ہے۔کوئی بہتر سے

بہتر نظام بھی کمزور کیریکٹر اور نا قابل اعتماد سیرت کے لوگوں کے لیکر کامیابی کے ساتھ نہیں چلایا جا سکتا۔ افراد کی سیرت کی خامیوں سے ایک نظام کے عمل درآمد میں جو رخنے اور شگاف پڑتے ہیں انہیں کاغذ پر نہیں بھرا جا سکتا۔

حضور ﷺ نے پہلے اپنی ساری قوت ایسے افراد کو تیار کرنے پر صرف کی جوان کے پروگرام کے مطابق بہترین طریقہ پر دنیا کی اصلاح کر سکتے ہوں۔ انہوں نے ایسے لوگ تیار کیے جو ہر حال میں اللہ سے ڈر کر بدی سے پرہیز کرنے والے ہوں۔ جو اپنی زندگی کے ہر معاملہ میں اللہ کے سامنے اپنی ذمہ داری کو پیش نظر رکھنے والے ہوں۔ جو ہر اس کام سے رُک جانے والے ہوں جس کے متعلق انہیں اللہ کی ناراضی کا اندیشہ ہو اور ہر اس کام میں دل و جان سے کوشش کرنے والے ہوں جس کے متعلق انہیں معلوم ہو جائے کہ اللہ اس سے خوش ہوگا۔ جنہیں اللہ کی خوشنودی پر اپنی کسی چیز کو قربان کرنے میں تامل نہ ہو۔ جن کے دل میں اللہ کے سوا کسی کا خوف، کسی کی مہربانی کا لالچ، اور کسی کے انعام کی خواہش نہ ہو۔ جن کیلئے پبلک اور پرائیویٹ زندگی میں کوئی فرق نہ ہو۔ جو راز کے پردوں میں بھی اتنے ہی نیک، شریف اور پرہیز گار ہوں، جتنے پبلک میں منظر عام نظر آئیں۔ جن پر بھروسہ کیا جا سکے کہ بندگانِ خدا کی جان، مال، آبرو اگر ان کے سپرد کی جائے تو خیانت نہ کریں۔ اپنی ذات یا اپنی قوم اور حکومت کی طرف سے کوئی عہد کریں تو بے وفا نہ نکلیں گے۔ انصاف کی کرسی پر بٹھائے جائیں تو ظالم نہ پائے جائیں گے۔ لین دین کے بازار میں بیٹھیں تو بدمعاملگی نہ کریں گے اور اپنی ذہانت، ہوشیاری، تدبر اور قوت و قابلیت کو راستی اور انصاف کیلئے اور انسانیت کی فلاح کیلئے استعمال کریں گے نہ کہ شخصی یا قومی اغراض کی خاطر دوسروں کو بے وقوف بنانے اور دوسروں کے حق تلف کرنے کیلئے۔

آج بھی اگر اصلاح ہو سکتی ہے تو ان ہی اصولوں پر ہو سکتی ہے جن کی طرف انسانیت کے ایک سچے بہی خواہ نے چودہ سو سال پہلے ہماری محض رہنمائی ہی نہ کی تھی بلکہ عملاً اصلاح کر کے دکھا دی تھی۔

خوشی اور غم

(واصف علی واصفؒ)

غم اور خوشی انسان کی اپنی کیفیات کے نام ہیں۔یہ انسان کی اپنی وابستگی اور خواہش کے روپ ہیں۔ایک انسان کا غم ضروری نہیں کہ دوسرے کا بھی غم ہو بلکہ اس کے بالکل برعکس ایک کا غم دوسرے کی خوشی بن سکتا ہے۔غم کے گیت میٹھے اور سریلے ہونے کی وجہ سے سننے والوں کو خوشی عطا کرتے ہیں۔انداز نظر بدل جائے تو نظارہ بدل جاتا ہے۔کل کا غم آج کی مسرت ہے اور آج کی خوشی نہ جانے کب آنسو بن کر بہہ جائے۔

انسان کا اپنا احساس واقعات کو غم اور خوشی سے تعبیر کرتا ہے۔شبنم کے قطرے رات کے آنسو بھی ہیں اور صبح کی مسکراہٹ بھی،حقیقت یہ ہے کہ غم اور خوشی ایک ہی شے کے نام ہیں۔ہر خوشی،غم بنتی ہے جتنی بڑی خوشی اتنا بڑا غم۔غم آخر خوشی کے چھن جانے کا ہی تو نام ہے جو شے زندگی میں خوشی بن کے داخل ہوتی ہے وہ غم بن کر رخصت ہوتی ہے۔وصال و فراق کی اصل داستانیں اصل میں غم اور خوشی کے قصے ہیں۔وصال نہ ہو تو فراق بے معنی ہے۔چونکہ خوشی سے مفر نہیں اس لیے غم سے مفر نہیں۔جس طرح ہستی سے مفر نہ ہو تو موت سے مفر نہیں۔ پیدا ہونے والا مرتا ضرور ہے خوشی پیدا ہوتی ہے اور اس کی موت غم کا جنم ہے ہمارے لیے ہماری وابستگیاں غم اور خوشی پیدا کرتی ہیں۔اگر باپ نے بیٹے کا ماتم نہیں کیا تو بیٹا اپنے کاندھے پر باپ کا جنازہ اٹھاتا ہے۔

کون سی ہے آنکھ جو غم سے یہاں روتی نہیں جانے والوں کی مگر رفتار کم ہوتی نہیں

انسان فانی اشیاء سے محبت کرتا ہے ان کی تمنا کرتا ہے انہیں جمع کرتا ہے اور فانی شے ختم ہو جاتی ہے تو وہ غمزدہ ہو جاتا ہے انسان خرمن جمع کرتا ہے دانہ دانہ چن کے اور پھر ایک دن برق خرمن سے آشنا ہو جاتا ہے۔خوشی بیٹی کی طرح گھر میں پلتی ہے اور جب جوان ہو جائے تو رخصت کر دی جاتی ہے

تمام مذاہب ایسے مقامات کی نشاندہی کرتے رہے ہیں جہاں انسان کو خوف اورحزن نہیں ہوتا ۔دراصل یہ روح کا مقام ہے ایسا مقام جہاں تعلق نصیب ہوتا ہے بڑی رُوح سے، کائناتی رُوح سے اور یہ تعلق فراق و وصال سے بے نیاز ہوتا ہے قطرے کو سمندر سے تعلق ہو جائے تو وہ فنا اور بقا سے بے نیاز ہو جاتا ہے اگر خواہش اور آرزو ہی نہ رہے تو غم اور خوشی کیا۔حقیقی خوشی اور حقیقی غم ایک ہی سے ہیں ۔ہم جس کو یاد کررہے ہیں وہ تو ہمارے پاس ہے جو دل پنہاں ہے،نظر سے اوجھل ہے ۔جس کی یاد بے قرار کررہی ہے وہی تو آنکھ سے آنسو بن کر ٹپک رہا ہے ۔یہ بڑے نصیب کی بات ہے بڑی دُور کی منزل ہے ۔بڑا بلند مقام ہے کہ دن اور رات ایک ہی سورج کے روپ نظر آئیں ،فراق اور وصال محبوب کی ادا ٹھہریں ،اپنا اور غیر یکساں نظر آئے ،کوا اور مور ایک ہی جلوے کے پہلو نظر آئیں ۔غم اور خوشی ایک ہی شے کے نام ہو کر رہ جائیں ۔انسان روتے روتے ہنس پڑے اور ہنستے ہنستے رونا شروع کر دے حاصل و محرومی سے بے نیاز ہو کر انسان معراج تعلق تک پہنچتا ہے ۔اور تعلق کے حصول کے بعد ستم اور کرم دونوں ہی محبوب کی دلبری کے انداز ہیں ۔
دنیا میں خوشی حاصل نہیں ہو سکتی ۔جب تک ہم دوسروں کو خوش نہ کریں ۔خوش کرنے والا ہی خوشی سے آشنا کرایا جاتا ہے ۔اور ہر خوش کرنے والا اور خوش رہنے والا تنہائیوں میں آنسوؤں سے دل بہلاتا ہے ۔لذت ستم مل جائے تو اور کرم کیا ہے ۔آہ سحر گاہی انعام ہے اُن کے لیے جو بارگاہ صمدیت میں مقرب ہوں ۔بے قرار روحیں سرشار ہوتی ہیں بلکہ زمانوں کو سرشار کرتی ہیں ۔رو ہی میں رونے والا فریدؒ آخر پکار اُٹھتا ہے ۔دنیا والو! جس کی تلاش کر رہے ہو وہ ہمہ وقت میرے پاس ہے۔

خلقت کوں جیندی کول اے ہر دم فرید دے کول اے

کسی انسان کے غم کا اندازہ اس کے ظرف سے لگایا جاتا ہے ۔کم ظرف آدمی دوسروں کو خوش دیکھ کر ہی غم زدہ ہو جاتا ہے ۔وہ یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ لوگ خوش رہیں ۔وہ ان کی خوشیوں کو برباد کرنے پر تل جاتا ہے ۔اس کی خوشی یہ ہے کہ لوگ خوشی سے محروم ہو جائیں۔

وہ اپنے لیے جنت کووقف سمجھتا ہے۔اور دوسروں کو دوزخ سے ڈراتا ہے ایک بخیل انسان نہ خوش رہ سکتا ہے نہ خوش کرسکتا ہے سخی سدا بہار رہتا ہے۔سخی ضروری نہیں کہ امیر ہی ہوا یک غریب آدمی بھی سخی ہوسکتا ہے اگر وہ دوسروں کے مال کی تمنا چھوڑ دے۔اس طرح جن لوگوں کا ایمان ہے کہ اللہ کا رحم اس کے غضب سے وسیع ہے وہ کبھی مغموم نہیں ہوتے۔وہ جانتے ہیں کہ غربت کدے میں پلنے والا غم اس کے فضل سے ایک دن چراغ مسرت بن کر دلوں کے اندھیرے دُور کرسکتا ہے وہ جانتے ہیں کہ پیغمبر بھی تکالیف سے گزارے گئے لیکن پیغمبر کا غم اُمت کی فلاح کیلئے ہے۔غم سزا نہیں غم انعام بھی ہے۔یوسف علیہ السلام کنویں میں گرائے گئے ان پر الزام لگا،انہیں قید خانے سے گزرنا پڑا لیکن ان کے تقرب اوران کے حسن میں کمی نہ آئی۔ان کا بیان احسن القصص ہے دراصل قریب کر دینے والا غم دُور کر دینے والی خوشیوں سے بدرجہا بہتر ہے۔منزل نصیب ہوجائے تو سفر کی صعوبتیں کامیابی کا حصہ کہلائیں گی اور اگر انجام محرومی منزل ہے تو راستے کے جشن نا عاقبت اندیشی کے سوا کیا ہو سکتے ہیں۔انسان اگر باشعور ہو جائے تو وہ پہچان لیتا ہے کہ ایک غم اور دوسرے غم میں کوئی فرق نہیں کل کے آنسو اور آج کے آنسو ایک جیسے ہیں۔ باشعور انسان غور کرتا ہے کہ کوئی خوشی،زندگی کے چراغ کو فنا کی آندھی سے نہیں بچا سکتی۔زندگی کا انجام اگر موت ہی ہے تو غم کیا اور خوشی کیا کچھ لوگ غصے کو غم سمجھتے ہیں۔وہ زندگی بھر ناراض رہتے ہیں کبھی دوسروں پر کبھی اپنے آپ پر انہیں ماضی کا غم ہوتا ہے حال کا غم ہوتا ہے اور مستقبل کی تاریکیوں کا غم۔یہ غم آشنا لوگ دراصل کم آشنا ہیں۔وہ نہیں جانتے کہ گزرے ہوئے زمانے کا غم دل میں رکھنے والا کبھی آنے والی خوشی کا استقبال کرنے کے لیے تیار نہیں ہوسکتا۔ان کا غم امر بیل کی طرح ان کی زندگی کو ویران کر دیتا ہے۔یہ غم،غم نہیں یہ غصہ ہے یا نفرت ہے غم تو دعوت مژگاں ساتھ لاتا ہے اور چشم نم آلود ہی چشم بینا بنائی جاتی ہے غم کمزور فطرتوں کا راکب ہے اور طاقتور انسان کا مرکب۔

یہاں یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ کچھ لوگ افسوس اور حسرت کو غم سمجھتے ہیں۔ایسا نہیں ہے

افسوس کوتاہیٔ عمل کا نام ہے ۔غلط روی کے احساس کا نام ہے ۔افسوس سے نکلنے کا راستہ توبہ اور معافی کا راستہ ہے۔حسرت نا تمام آرزو کا نام ہے۔یہ ایک الگ مقام ہے آرزو اور استعداد کے فرق سے حسرت پیدا ہوتی ہے ۔آرزو جب استعداد سے بڑھ جائے تو حسرت شروع ہو جاتی ہے۔باعزم انسان حسرت سے محفوظ رہتے ہیں۔انسان اپنی پسند کو حاصل کر لے یا اپنے حاصل کو پسند کر لے تو حسرت نہیں رہتی۔

بہتر انسان وہی ہے جو دوسروں کے غم میں شامل ہو کر اسے کم کرے اور دوسروں کی خوشی میں شریک ہو کر اس میں اضافہ کرے اپنی صلاحیتوں کو محروم لوگوں کی خدمت کے لیے وقف کرنے والا غم سے نڈھال نہیں ہوسکتا۔اگر یہ بات مان لی جائے کہ غم شخصیت ساز ہے اور غم اسی کی عطا ہے جس نے خوشی دی تھی تو انسان کی زندگی آسان سی ہو جاتی ہے۔اندیشوں کو بھی غم نہیں کہنا چاہیے اندیشہ آنے والے زمانے سے ہوتا ہے اگر حال پر نگاہ رکھی جائے تو مستقبل کے اندیشے کم ہو جاتے ہیں اندیشہ ایک ''نا سمجھی'' کا نام ہے۔اندیشہ امید سے ٹلتا ہے امید رحمت پر ایمان سے حاصل ہوتی ہے اور رحمت خالق کا عمل ہے بلکہ خالق کا دعویٰ ہے کہ اس کی رحمت اس کے غضب سے وسیع ہے وہ خالق جو اپنے محبوب کو رحمتہ اللعالمینﷺ بنا کر بھیجتا ہے مخلوق پر غضب نہیں کرتا لہٰذا ہم وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ خالق کی طرف سے مخلوق پر ظلم کا اندیشہ محض وسوسہ ہے خالق نے ہدایت بھیجی پیغمبر بھیجے ،سلامتی کے پیغامات بھیجے ،رحمتیں اور برکتیں نازل فرمائیں ،مبارک صحیفے اور مقدس کتابیں نازل فرمائیں اور سب سے بڑی بات اپنی رحمتوں کو رحمتِ عالمﷺ کی ذات میں مجتمع فرما کر مخلوق کے لیے آسرا بنا کر بھیجا۔سرکش و باغی انسان ہی اندیشوں میں مبتلا ہو کر غمزدہ و افسردہ رہتا ہے ۔جو لوگ اپنے نفس کے شر اور ظلم سے بچ گئے ۔وہ غم سے بچ گئے ۔ان کے لیے بشارت ہے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے شاداب و سرسبز جنت کی ۔اندیشہ دوری ہے اور امید خواہش تقرب ہے۔جس انسان نے استقامت اختیار کی ،حقیقت کی راہ میں وہ مایوس نہیں کیا جاتا۔

سوچنا چاہیے کہ انسان اس زندگی میں نہ کچھ کھوتا ہے نہ پاتا ہے وہ تو صرف آتا ہے اور جاتا ہے کیا حاصل اور کیا محرومی کسی کا چہرہ کسی کی زندگی میں خوشی پیدا کر جاتا ہے اور کسی کی زندگی میں غم دے جاتا ہے یہ سب قدرت کے کھیل ہیں۔

لوگ حالات اور ترقی سے خوشی حاصل کرنا چاہتے ہیں حالانکہ خوشی کا تعلق حالات سے نہیں ،خوشی ایک حالت کا نام ہے اپنی حالت ،اپنا احساس ،اپنا اندازِ فکر ،احساس کی اصلاح ہوجائے تو غم اور خوشی کی بحث ختم ہو جاتی ہے ۔دلبر ،دل کے پاس نظروں کے سامنے ہو تو تختہ دار جنت سے کم نہیں ۔دلبر دُور ہو تو جنت بھی جہنم ۔دلبر کی یاد سرمایہ ہے اور اس کے کوچہ کی گدائی بھی تاج شاہی سے کم نہیں ،تو حاصل یہ ہوا کہ غم اور خوشی اپنے اندازِ فکر کے نام ہیں ۔نیکی کے راستے میں محرومی بھی خوشی کا باعث ہے اور گناہ کا حاصل ہو جانا بھی غم کا باعث ہے ۔دن کو لٹنے والا اگر رات کو آرام سے سو جائے تو راہزن کے لیے دعا کے علاوہ کیا ہو سکتا ہے اگر زندگی کسی اور کی خوشنودی کا باعث ہو جائے تو غم نہیں ہوگا ۔اگر خود غرضی مقصدِ حیات ہو تو کبھی خوشی نصیب نہ ہوگی ۔خوشی اور غم موسموں کی طرح آتے جاتے رہتے ہیں ۔

غم خوشی بن کر زندگی میں داخل ہوتا ہے اور خوشی غم بن کر زندگی سے نکل جاتی ہے اور پھر محروم زندگی آشنائے لذت و کیف کرا دی جاتی ہے اسی طرح جیسے خزاں زدہ باغ ایک دن سرسبز وشاداب کر دیا جاتا ہے بہار دو خزاؤں کے درمیانی وقفہ کا نام ہے اور خزاں دو بہاروں کے درمیانی زمانے کا ۔ایک دفعہ ایک انسان اپنے کسی عزیز کی موت پر رو رہا تھا ۔لوگوں نے کہا ''روتے کیوں ہو ۔اب آنسوؤں کا کیا فائدہ'' ۔اس نے جواب دیا ''رو تا اسی بات پر ہی ہوں کہ اب رونے کا فائدہ ہی نہیں'' ۔جو شے رونے سے واپس نہیں ہو سکتی اس پر رونا کیا ۔اور رونا ہوتا ہی اسی شے پر ہے جو رونے سے بھی واپس نہ آئے ۔خوشی کا تعاقب کرنے والا خوشی نہیں پا سکتا ۔یہ عطا ہے مالک کی' جو اس کی یاد اور اس کی مقرر کی ہوئی تقدیر پر راضی رہنے سے ملتی ہے ۔کپل وستو کا راجہ خوشی حاصل نہ کر سکا ۔لیکن ''گیا'' کا گیانی خوشی سے سرشار ہو کر لوگوں کو خوشی کی منزل دکھاتا رہا

اسلام نے استقامت کو ذریعہ مسرت کہا ہے اور بجا کہا ہے، مستقل مزاج انسان غم اور خوشی کے حجابات سے نکلتا ہوا حقیقت کے نور تک پہنچ جاتا ہے اور یہی وہ مقام ہے جہاں نہ غم ہے نہ خوشی ۔بس ایک سرشاری ہے ۔ایک ایسی حالت کہ جہاں نہ دولت کی خواہش ہوتی ہے نہ وجود کی تسکین کی آرزو ۔یہاں انسان بارگاہِ حسن میں محو نظارہ ہوتا ہے ۔نہ حاصل نہ محرومی ، نہ غم نہ خوشی، نہ آرزو ، نہ شکست آرزو ۔یہ بڑی خوش نصیبی ہے ۔اپنے نصیب پر خوش رہنا چاہیے ۔اپنی کوششوں پر راضی رہنا چاہیے اور کوششوں کے انجام پر بھی راضی رہنا چاہیے ۔دوسرے انسان کے نصیب سے مقابلہ نہیں کرنا چاہیے ۔جو ذرہ جس جگہ ہے وہیں آفتاب ہے ۔اللہ ہمیں حقیقی خوشیاں عطا فرمائے اور حقیقی غم سے بھی آشنا کرے ۔ابدی غم اور ابدی خوشی ازلی نصیب ہے ۔

واصف علی واصفؒ

جو شے چلنے سے حاصل نہیں ہوتی ،وہ ٹھہرنے سے حاصل ہو جاتی ہے ۔

جو راز پیسے جمع کرنے میں نہ پایا جائے ،وہ خرچ کرنے میں ضرور پایا جائے گا ۔

جسے سونے والا دریافت نہ کرسکے ،اسے جاگنے والا ضرور دریافت کرے گا ۔

حدیث نبوی ﷺ

لوگ قیامت کے دن ایک ہی میدان میں اکٹھے کیے جائیں گے اور ایک منادی اعلان کرے گا ،جن لوگوں کے پہلو بستروں سے جدا رہتے تھے وہ کہاں ہیں؟ ۔وہ کھڑے ہو جائیں گے لیکن ان کی تعداد بہت کم ہوگی اور بغیر حساب کتاب جنت میں داخل ہو جائیں گے ۔(بہیقی شعب الایمان)

نماز اور معراج

(شمس الدین عظیمی)

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے "نماز مومن کی معراج ہے" ہم جب معراج کے معنی و مفہوم کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو ہمارے سامنے یہ بات آتی ہے کہ معراج دراصل غیبی دنیا کے انکشاف کا متبادل نام ہے ۔حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی معراج کے حالات جب ہم پڑھتے ہیں تو ان تمام حالات سے ہمیں غیب میں بسنے والی دنیا کا شعوری طور پر عرفان حاصل ہوتا ہے ۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام تمام قدروں سے ہٹ کر زمان و مکاں کو نظر انداز فرماتے ہوئے جسمانی طور پر مسجد اقصیٰ تشریف لے گئے ۔وہاں موجود انبیاء کرام نے حضور ﷺ کی امامت میں نماز ادا کی پھر آسمانوں پر تشریف لے گئے پہلا آسمان دوسرا آسمان، تیسرا آسمان، چوتھا آسمان، پانچواں آسمان، چھٹا آسمان، ساتواں آسمان اور پھر عرش پر قیام فرمایا۔آسمانوں کے مقیم حضرات سے بھی ملاقات کی ۔ جنت دوزخ کے حالات حضور ﷺ کے سامنے آئے ۔فرشتوں سے گفتگو ہوئی اور پھر حضور ﷺ کو معراج میں ایسا مقام عطاء ہوا کہ جہاں اللہ تعالیٰ اور حضور ﷺ کے درمیان دو کمانوں کا فاصلہ رہ گیا یا اس سے بھی کم ۔اللہ تعالیٰ نے جو چاہا اپنے بندے سے راز و نیاز کی باتیں کیں اور ساتھ ہی فرمایا کہ جو کچھ دیکھا جھوٹ نہیں دیکھا ۔معراج کے اس لطیف اور پر انوار واقعہ سے یہ بات سند کے طور پر پیش کی جا سکتی ہے کہ معراج کے معنی اور مفہوم غیب کی دنیا سے روشناسی ہے ۔یہ معراج حضور ﷺ کی معراج ہے رسول ﷺ اپنی امت کے لئے نماز کو معراج فرماتے ہیں یعنی جب کوئی مومن نماز میں قیام کرتا ہے تو اس کے دماغ میں وہ دریچہ کھل جاتا ہے جس میں سے وہ غیب کی دنیا میں داخل ہو کر وہاں کے حالات سے واقف ہو جاتا ہے فرشتوں کا مشاہدہ کرتا ہے نور کے ہالے میں بند ہو کر اور ٹائم اسپیس سے آزاد ہونے کے بعد اس کی پرواز آسمانوں کی رفعت کو چھو لیتی ہے اور پھر وہ عرش معلیٰ پر اللہ تعالیٰ کے سامنے سر بسجود ہو جاتا ہے

وہ مومن جو نماز میں معراج حاصل کر لیتا ہے اس کے اوپر اللہ تعالیٰ کی صفات کا نور بارش بن کر برستا ہے

یہ بات ذہن نشین رکھنا ضروری ہے کہ حضور ﷺ کے کسی امتی کی معراج روحانی طور پر اللہ تعالیٰ کی صفات تک ہوتی ہے یعنی کوئی امتی نماز کے ذریعے فرشتوں سے ہم کلام ہو سکتا ہے جنت کی سیر کر سکتا ہے اور انتہا یہ کہ ترقی کر کے اللہ تعالیٰ کا عارف بن سکتا ہے ایسے مومن کو شرف حاصل ہو جاتا ہے کہ عرش و کرسی کو دیکھ لیتا ہے اور اس کی آنکھیں اللہ تعالیٰ کا دیدار کر لیتی ہیں کان اللہ تعالیٰ کی آواز سنتے ہیں اور دل اللہ تعالیٰ کی قربت سے آشنا ہو جاتا ہے حضور ﷺ کی معراج جسمانی و روحانی ہے۔ بیت المعمور سے آگے حجاب کبریا اور حجاب محمود کے مقامات ہیں حجاب محمود کے بعد مقام محمود ہے اور یہ وہی مقام اعلیٰ ہے جہاں حضور ﷺ اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

"ہم نے اپنے بندے سے جو چاہا باتیں کیں، دل نے جو دیکھا جھوٹ نہیں دیکھا" (سورة نجم)

نماز کی حقیقت سے آشنا ہونے کے لئے اپنی روح کا عرفان حاصل کرنا ضروری ہے

حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ حضوری قلب کے بغیر نماز نہیں ہوتی یعنی جب تک نماز میں حضوری قلب نہ ہو اور آدمی تمام وسوسوں اور منتشر خیالی سے آزاد نہ ہو فی الحقیقت اس کی نماز، نماز نہیں ہے۔ یہ ایسا عمل ہے جس کو جسمانی حرکت تو کہا جا سکتا ہے لیکن اس عمل میں روحانی قدریں شامل نہیں ہوتیں جب کوئی بندہ روح کی گہرائیوں کے ساتھ نماز قائم کرتا ہے تو اس کے اوپر سے اس دماغ کی گرفت ٹوٹ جاتی ہے۔ جس دماغ کو ہم نافرمانی کا دماغ کہتے ہیں۔ جب زمان و مکاں سے آزاد دماغ کے ساتھ ہم اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے ہیں تو ہمارے اوپر انوار کا نزول ہونے لگتا ہے اور حالت نماز میں مفروضہ حواس (Fiction) سے ہمارا رشتہ منقطع ہو جاتا ہے اور بندہ اللہ کی تجلیات اور انوار میں جذب ہو کر کھو جاتا ہے۔

زندگی میں فرد کی اہمیت

(مولانا سیّدابوالحسن علی ندوی)

سب جانتے ہیں کہ ہمارے سماج اور موجودہ نظام زندگی میں کوئی خرابی یا کمی ہے، جس کی وجہ سے زندگی کی کَل صحیح نہیں بیٹھتی اوراس کا جھول نہیں نکلتا ،ایک خرابی دور کیجئے تو چار خرابیاں اور پیدا ہوجاتی ہیں، آج دنیا کے بڑے بڑے ملک بھی اس خرابی کے شاکی ہیں، اور محسوس کرنے لگے ہیں کہ بنیاد میں کوئی خرابی ہے مگران کو اپنے مسائل سے فرصت نہیں ، ہم ان مسائل کی ضرورت سے انکار نہیں کرتے مگران سب مسئلوں سے زیادہ اہم مسئلہ انسانیت اور آدمیت کا مسئلہ ہے، اسلئے کہ ہماری پہلی حیثیت انسان کی ہے، اور یہ مسائل اس کے بعد آتے ہیں، جن لوگوں کے ہاتھوں میں زندگی کی باگ ڈور ہے، انہوں نے زندگی کی گاڑی اتنی تیزی سے چلا رکھی ہے کہ ایک منٹ کے لئے اس کو روک کر خرابی دیکھنے کے لئے تیار نہیں، وہ یہ نہیں دیکھتے کہ وہ ٹھیک پٹری پر جارہی ہے یا نہیں، اوراس خرابی سے اس کے مسافروں اور آئندہ نسلوں کیلئے کیا خطرہ درپیش ہے، ان کو صرف اس کی فکر ہے کہ اس گاڑی کے چلانے والے ہوں، ان میں سے ہرایک دنیا کو اس بات کی رشوت دیتا ہے کہ اگر گاڑی کا ہینڈل اس کے ہاتھ میں ہوگا تو وہ زیادہ سے زیادہ تیز رفتاری سے گاڑی چلائیگا، امریکہ اور روس دونوں میں ہرایک کا دعویٰ ہے، اور ہرایک کا وعدہ ہے کہ وہ اس گاڑی کو زیادہ تیز رفتار سے چلائیگا۔لیکن کسی کو سمتِ سفر اور مقصد سفر سے بحث نہیں۔

اجتماعیت کا رجحان

آج دنیا میں بڑی بڑی تنظیمیں معرض وجود میں آرہی ہیں، اس وقت اجتماعیت پر بڑا زور ہے ہر کام اجتماعی اور عالمگیر پیمانہ پر کیا جارہا ہے، یہ اجتماعیت ایک خوشگوار اور ترقی پسند رجحان ہے

لیکن افراد اوران کی صلاحیت، ہر اجتماعی کام کی اور ہر تنظیم کی بنیاد ہے، اوراس کی اہمیت سے کسی دور میں انکار نہیں کیا جاسکتا، اس زمانہ کی خطرناک غلطی یہ ہے کہ افراد کی اہمیت اوران کی سیرت و صلاحیت کو بالکل نظر انداز کیا جارہا ہے، عمارت بنائی جارہی ہے، مگر وہ اینٹوں سے ہی بنے گی، اینٹوں کو کوئی نہیں دیکھتا، اگر کوئی یہ سوال چھیڑتا ہے کہ اینٹیں کیسی ہیں؟ تو کہا جاتا ہے اینٹیں ناقص سہی، کمزور سہی، مگر عمارت مضبوط اور اعلیٰ ہوگی۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ سو خراب چیزوں سے ایک اچھا مجموعہ کیسے برآمد ہوگا۔ کیا خرابی جب بڑی تعداد میں جمع ہوجاتی ہے اور ایک دوسرے میں شامل ہوجاتی ہے تو معجزہ کے طور پر اس سے ایک عمدہ چیز ظاہر ہوجاتی ہے؟ کیا ایک سو مجرموں اور ظالموں کے مل جانے سے ایک انصاف پرور جماعت اور ادارہ وجود میں آجاتا ہے؟ یہ کہاں کی منطق ہے کہ افراد کو بنانے کی فکر نہیں اور ایک اچھے مجموعہ کی توقع کی جارہی ہے۔

مجرمانہ غفلت

آج کالجوں، تحقیقاتی اداروں، تجربہ گاہوں، تفریحی مرکزوں میں انسانی زندگی کی ہر حقیقی اور فرضی ضرورت کا انتظام کیا جارہا ہے مگر ان آدمیوں کے بنانے کا کوئی انتظام نہیں۔ یہ سب تیاریاں انسانوں کیلئے ہیں جن کا مقصد زندگی بوالہوسی اور عیش پرستی کے سوا کچھ نہیں۔ اس وقت افراد کی تربیت، سیرت کی تعمیر اور انسانیت کی صفات اور اخلاق پیدا کرنے کی طرف سے مجرمانہ غفلت برتی جارہی ہے، یہی کام سب سے غیر اہم سمجھا گیا ہے۔

ہماری غفلت کا خمیازہ

ہمارا ملک بڑا مردم خیز ملک ہے، اس نے بڑے کامل افراد پیدا کیے ہیں، مگر اس انفرادی اصلاح کی طرف غفلت برتی جارہی ہے۔ کہنا پڑتا ہے کہ گذشتہ ادوار میں حکومتی سطح پر اس فرض کے ادا کرنے میں کوتاہی سے کام لیا گیا، حکومت اگر خلافت راشدہ کا نمونہ ہوتی اور وہ اس ملک کے منتظم اور حکمران ہونے سے زیادہ اس ملک کے مربی اور اخلاقی معلم ہوتے تو

آج اس ملک کی اخلاقی حالت یہ نہ ہوتی۔افسوس سڑکوں اور روشنی کی طرف بھی جتنی توجہ ہے، اتنی بھی توجہ اس بنیادی کام کی طرف نہیں ہے۔

ہر اصلاحی کام کی بنیاد

آج اخلاقی انحطاط حد درجہ کو پہنچا ہوا ہے، رشوت، چور بازاری، غبن اور خیانت میں کمی نہیں، دولت مند بننے کی خواہش جنون کی حد تک پہنچ گئی ہے۔کوئی اپنی ذمہ داری محسوس نہیں کرتا، ذہنی کیفیت یہ ہے کہ ایک دوسرے کی نیکی کی آڑ لے کر بدی کرنا چاہتا ہے، جب سب کا یہ حال ہوجائے تو وہ نیکی پھر کہاں سے آئیگی جس کے دامن میں بدی چھپ سکے۔اسکی مثال پیش ہے ایک بادشاہ نے ایک رات اعلان کیا کہ ایک حوض دودھ کا بھرا ہوا چاہیے، ہر شخص ایک گھڑا دودھ اس میں ڈال دے اور صبح اپنے دام لے لے، اندھیری رات تھی، ہر شخص نے یہ خیال کیا کہ میں نے اگر ایک گھڑا پانی ڈال دیا تو اتنے بڑے حوض میں کیا پتہ چلے گا، سب لوگ تو دودھ ڈالیں گے لیکن اتفاق سے ہر شخص نے یہی سوچا اور دوسرے کی نیکی اور دیانت کے اعتماد پر بددیانتی کرنی چاہی، نتیجہ یہ نکلا کہ صبح جب بادشاہ نے دیکھا تو پورا حوض پانی سے بھرا تھا، دودھ کا نام ونشان نہ تھا، جب کسی بستی کی یہ حالت ہوجائے تو پھر اس کی کوئی حفاظت نہیں کرسکتا۔

اصل خطرہ: یاد رکھیئے! اس ملک کیلئے کوئی بیرونی خطرہ نہیں، اس ملک کے لئے سب سے بڑا خطرہ اخلاقی انحطاط، مجرمانہ ذہنیت، دولت پرستی ہے، کیا یونان اور روما کو کسی دشمن نے تباہ کیا، نہیں بلکہ ان اخلاقی بیماریوں نے جن کا گھن ان کو لگ گیا تھا، پھر اس وقت ایک ملک کا اخلاقی انحطاط تمام دنیا کیلئے خطرہ ہے، دنیا صرف اسی وقت خوشحال اور پُر امن ہوسکتی ہے جب ہر ملک خوش حال اور پرامن ہو۔

پیغمبروں کا کارنامہ: پیغمبروں کا یہی کارنامہ ہے کہ انہوں نے صالح افراد تیار کئے، اللہ سے ڈرنے والے، انسانوں سے محبت کرنے والے، دوسروں کیلئے تکلیف اٹھانے والے، اپنے پرائے

کے معاملے میں انصاف کرنے والے، سچ بولنے والے، حق کا ساتھ دینے والے، مظلوم کی مدد کرنے والے، دنیا کے کسی فرد، کسی ادارہ اور کسی تربیت گاہ نے ایسے صالح افراد تیار نہیں کیے، دنیا کو اپنی ایجادوں پر ناز ہے، سائنس دانوں کو اپنی خدمات پر فخر ہے، لیکن پیغمبروں سے بڑھ کر کس نے انسانیت کی خدمت انجام دی، ان سے زیادہ بیش قیمت چیز کس نے دنیا کو عطا کی، ان پیغمبروں نے دنیا کو گلزار بنادیا، ان کی وجہ سے دنیا کی ہر چیز کارآمد بن گئی، آج دنیا میں جو نیکی کا رجحان، جو سچائی، انصاف اور انسانیت کی محبت پائی جاتی ہے وہ انہیں پیغمبروں کی کوشش اور تبلیغ کا نتیجہ ہے۔

دنیا کی سب سے بڑی بدقسمتی یہ ہے کہ جماعتیں موجود ہیں، قومیں موجود ہیں تنظیمیں، ادارے موجود ہیں لیکن صالح افراد نایاب ہیں اور دنیا کے بازار میں سب سے زیادہ اسی جنس کی کمی ہے، خطرناک بات یہ ہے کہ ان کو تیاری کی فکر بھی نہیں ہے۔ اس کا راستہ صرف ایک ہے اور وہ یہ کہ سب سے پہلے انسانیت سازی کی جائے یعنی انسان کو انسان بنایا جائے، اس کے بغیر خرابیاں دور نہیں ہوسکتیں۔ افسوس کہ جن کو اس بنیادی کام کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت ہے اور جن کی توجہ کرنے سے اثر ہوسکتا ہے، ان کو دوسرے مسائل سے فرصت ہی نہیں، اگر وہ اس مسئلہ پر توجہ کرتے تو اس پوری زندگی پر اثر پڑتا اس سے سینکڑوں مسائل حل ہو جاتے جن پر علیحدہ علیحدہ کوشش کی جارہی ہے اور خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہیں ہوتا۔

ہماری جدو جہد کا محرک: ہم نے جب دیکھا کہ اتنے بڑے ملک میں کوئی اس کی صدا بلند کرنے والا نہیں اور کوئی اپنی زندگی کا مقصد اور مہم بنانے والا نہیں تو ہم اس دعوت کو لیکر نکلے ہیں، ہماری بڑی حوصلہ افزائی ہوتی ہے، ہم اسی اُمید پر نکلے ہیں، انسانوں کی اس وسیع بستی میں ضرور کچھ زندہ دل پائے جاتے ہیں، دنیا کا ہر کام انہیں انسانوں کے وجود کے یقین اور انکی زندہ دلی کے اعتماد پر کیا گیا ہے، اُمید ہے کہ آپ اپنے آپ کو فرد بنانے کی کوشش کریں گے جس کی آج دنیا کو ضرورت ہے اور جس کے بغیر اس زندگی کی چول بیٹھ نہیں سکتی۔

کیاایمان کے بغیر بھی طبیعی اور معاشرتی قوانین مقررہ نتائج پیدا کرتے ہیں

(مدثر حسن بخاری)

کائنات کی بناوٹ کچھ ایسی ہے کہ انسان کی تمام مساعی اور کوششیں اگر کائنات میں اللہ کے نافذ کردہ قوانین طبیعی کے مطابق ہوں تو ان کے نتائج خود بخود برآمد ہوتے چلے جاتے ہیں کھیتی باڑی صحیح طریقے سے کی جائے یعنی زمین کی جوتائی ،بوائی ،آبیاری اور کیڑوں سے محفوظ رکھنے کی تدابیر وغیرہ صحیح اصولوں اور مناسب وقت پر ہوں تو غلہ ضرور پیدا ہوتا ہے اور محنت کا پھل ضرور ملتا ہے اس سلسلے میں قوانین طبیعی کے مطابق جس قدر محنت کی جائے اتنے ہی اچھے نتائج برآمد ہوں گے یہ عام مشاہدے کی بات ہے اسی طرح دوسرے کام ہیں سمندروں میں جہاز رانی ،جہاز سازی،فضا میں پرواز زمین اور پہاڑوں سے معدنیات کا حصول مصنوعات کی تیاری وغیرہ اگر یہ تمام کام قوانین طبیعی کے مطابق سرانجام دیئے جائیں تو ان کا نتیجہ سامنے آجا تا ہے اور ان تمام امور میں انسان ترقی کرتا جاتا ہے اس میں عرب وعجم کالے اور گورے،مومن وغیر مومن کے درمیان کوئی فرق نہیں ،اللہ تعالیٰ پر ایمان یا عدم ایمان کا اثر ہمارے اس نوع کے عمل کے نتیجے پر نہیں پڑتا بلکہ ہر کام کے لئے معین طبیعی قوانین کے مطابق اگر کام کیا جائے تو نتیجہ بھی صحیح ہی برآمد ہوگا ۔۔اور اگر قواعد وضوابط کے مطابق عمل نہ ہوتو فطرت کا تقاضا یہ ہے کہ مطلوبہ نتائج برآمد نہ ہوں کیونکہ کائنات میں اللہ تعالےٰ نے جو قوانین طبیعی نافذ کئے ہیں ان کے مطابق ہی ہر عمل کا نتیجہ برآمد ہوتا ہے ۔اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ تمدنی ومعاشرتی قانون کے مطابق صحیح عمل اختیار کرکے ہر وہ قوم ترقی کرلیتی ہے جو استقلال،پامردی اور نظم وضبط کے ساتھ اپنا صحیح عمل جاری رکھتی ہے جب تک مسلمانوں نے صحیح عمل پوری سچائی اور کامل دیانت داری کے ساتھ اختیار کیا اور

قانون وانصاف کی حکومت قائم کی تو صدیوں تک عزت ووقار اور نیک نامی اور ہر دلعزیزی کے ساتھ وسیع خطہ ارضی پر حکمران رہے مگر جب انکے کردار واخلاق میں کمزوریاں پیدا ہو گئیں تو ان سے بہتر کردار کی حامل قومیں ان پر غالب آ گئیں حتیٰ کہ انگریز برصغیر پر سات سمندر پار سے آ کر حکمران بن گئے۔ انہوں نے اگر چہ محکوم قوموں کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا لیکن ان میں حکمرانی اور امن قائم رکھنے کے صلاحیتیں موجود تھیں۔ وہ اپنے قانون کے نفاذ میں بھی مخلص تھے عدل وانصاف کی صلاحیت بھی ان میں موجود تھی وہ انفرادی طور پر بھی بہت سے اچھے اوصاف کے مالک تھے چنانچہ معاملات کی صفائی ان کا شعار تھا۔ وعدہ وفا کرتے تھے لین دین میں راست روی ان کا قومی شعار تھا محنتی اور جفاکش تھے لہذا انہوں نے نہ صرف حکومت کی بلکہ خوب دنیا کمائی اور دونوں ہاتھوں سے دولت بٹوری اور اب جرمنی اور جاپان کا بھی یہی حال ہے کہ سارے عالم کی منڈیوں پر چھا گئے ہیں محنتی جفاکش اور راست باز ہیں اچھا مال بناتے ہیں اور وقت پر صحیح مال بھیجتے ہیں۔ لہذا ایک جہان ان کی مصنوعات خریدتا ہے اور دنیا بھر کے بازار اُن کی مصنوعات سے اَٹے پڑے ہیں تجارت سے مال ودولت کے ساتھ ساتھ نیک نامی اور عزت بھی حاصل کر رہے ہیں ان کے کردار کی تعریف ہو رہی ہے چین نے زندگی کے معاشی پہلو کو اپنی اصلاح کا مرکز بنایا قوم میں مساوات کی روح پھونک دی حکمران اور رعیت کے درمیان معاشی فرق وتفاوت کو کم از کم کر دیا سادہ زندگی ان کی قومی خصوصیت بن گئی۔ چوری اور رشوت ستانی کی لعنت سے معاشرے کو پاک کر دیا۔ بدعہدی سے قوم کو نفرت ہو گئی۔ محنت، دیانت اور اصول پرستی ان کا قومی شعار بن گئے۔ تعلیم کے ذریعہ کاری اور دوسری اخلاقی برائیوں کی جڑ کاٹ کر رکھ دی آبروئیں محفوظ ہو گئیں اور مال ومتاع ضائع ہونے کا خطرہ نہیں رہا۔

ہم دیکھتے ہیں کہ حال ہی میں ویت نام نے دنیا کی سب سے بڑی اور طاقتور مملکت یعنی امریکہ کو جس کے پاس اسلحہ کے انبار اور دولت کی بہتات تھی اپنے ملک سے واپس جانے پر مجبور کر دیا اس کی وجہ یہ تھی کہ وہاں کے صدر، وزیر، افسر، سپاہی اور عوام سب کا رہن سہن یکساں تھا

اونچ نیچ کا فرق انہوں نے مٹا دیا تھا پوری قوم کے اخلاص عمل اور متحدہ جدوجہد وہ اسباب تھے جن کی بدولت وہ کامیاب ہوئے ان کی یہ کامیابی کائنات کے طبیعی قوانین کے عین مطابق تھی ان کی انتھک اور مسلسل جدجہد کی بدولت انہیں اجنبی قوم کی غلامی سے نجات ملی یہ ان کی پیہم اور مسلسل کوششوں کا طبیعی نتیجہ تھا کیونکہ طبیعی اسباب کے نتائج بھی طبیعی ہوتے ہیں۔

لیکن چونکہ یہ سب ملک اور قومیں ایمان کی دولت سے مالامال نہیں تھے لہذا ان میں یہ کمی بہرحال باقی رہ گئی کہ تمام اچھائیاں اور سب ترقیاں ان کے اپنے مما لک تک محدود رہیں دوسرے ملکوں کو ان سے کچھ فائدہ نہیں پہنچا۔ انہوں نے ہر اچھا کام صرف اپنی قوم اور اپنے ملک تک محدود رکھا دوسری قوموں کے ساتھ وہی اجتماعی اور سیاسی دھوکا فریب اور جھوٹ باقی رکھا کمبوچیا کے ساتھ اس ویت نام نے آگے چل کر جو کچھ کیا وہ ڈھکی چھپی بات نہیں۔ اس نے معاشی ومعاشرتی قوانین کا جو معیار اپنی قوم کے لئے قائم کیا تھا۔ وہ کمبوچیا کے حق میں قائم نہ رکھ سکے صرف اپنی قوم کے لوگوں تک ہر ملک ایمانداری برتا ہے تا کہ وہ اپنے ملک میں امن سے رہ سکیں تجارت میں دوسرے ملکوں کے ساتھ صحیح معاملہ رکھا تا کہ خوب دولت کما سکیں لیکن دوسری قوموں کے ساتھ معاملات میں عدل وانصاف کا معیار قائم نہ رکھ سکے۔ ایمانداری کو کسی ملک نے بھی سیاست اور بین الاقوامی تعلقات میں ملحوظ نہیں رکھا۔

خالق کائنات پر ایمان اور اس کے طبیعی وتمدنی قوانین اور مکافات عمل کے اصول پر یقین ہی سے انسان کے قلب میں وہ کامل اور پائیدار تبدیلی پیدا ہوتی ہے۔ جو زندگی کے قالب کو یکسر بدل دیتی ہے انسان دوسروں کے لئے بھی بھلائی اور خیر خواہی رواداری اور محبت میں روحانی خوشی محسوس کرتا ہے۔ ایمان ہی دنیا میں امن اور چین کی جنت ارضی قائم کرتا ہے۔ ایمان کی بدولت ہی وہ عالمگیر تعلق قائم ہوتا ہے جو ساری دنیا کے انسانوں کو ایک رشتہ میں پرو دیتا ہے۔

ہم نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کی بتائی ہوئی باتوں پر آدمی جتنا عمل کرتا جائے گا اس کو اتناہی اچھا نتیجہ ملتا چلا جائے گا۔ یہ صحیح معاملہ کرے گا۔ اور دیانتداری برتے گا۔ تو اس کا اعتبار قائم ہوگا

دنیاوی مال و دولت حاصل کرے گا۔ جس قدر تحقیق و جستجو میں آگے بڑھے گا۔ اسی قدر سربستہ رازوں سے پردے اٹھتے چلے جائیں گے۔ چاند، مشتری۔ اور مریخ تک پہنچ جائے گا۔ لیکن پورا پورا پھل اور مکمل ثمرہ تب ہی حاصل ہوگا۔ جب وہ یہی کام ایمان کے ساتھ کرے گا ایمان سے اسے خود بھی فائدہ حاصل ہوگا اور اس کی قوم اور ملک کو بھی۔ بلکہ اس سے ساری نوع انسانی مستفید ہوگی اور ایمان کے بغیر ساری ترقیاں عارضی اور مخصوص حلقے میں محدود رہیں گی۔ عالمگیر اور مکمل چین اور سکون، پائیدار خوشی اور دائمی امن صرف ایمان لانے ہی سے حاصل ہوگا رہے وہ لوگ جو نہ صحیح ایمان لائیں اور نہ ہی صحیح عمل کریں تو ان کو کچھ بھی نہیں ملے گا۔ غالباً ہم اسی سطح پر ہیں کہ نہ ہمارا ایمان ہی حقیقی اور واقعی ہے نہ عمل ہی صحیح و صالح ہے ایمان کے بغیر دائمی امن اور مستقل اطمینان حاصل نہیں ہوتا جو کچھ حاصل ہوتا ہے وہ ایک عرصے کیلئے ہوتا ہے۔ کیونکہ ایمان کے بغیر جو قوم بھی کچھ کرتی ہے وہ صرف اپنے دنیوی مفاد کے لئے کرتی ہے۔ پوری نوع انسانی کی فلاح و بہبود سے اُسے کوئی غرض نہیں ہوتی۔ دوسری قوموں کے ساتھ ان کی ظاہری عنایات بھی محض استحصال کیلئے ہوتی ہیں۔ جس کا لازمی نتیجہ بین الاقوامی سطح پر تصادم و مزاحمت ہوتا ہے۔ وہ قدم قدم پر دوسروں کے مفادات کو قربان کر کے اپنی قوم کو فائدہ پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں دوسری قومیں اس استحصال کو برداشت نہیں کرتیں نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جو ترقی اور خوشحالی کچھ قومیں اس طرح حاصل کرتی بھی ہیں، وہ کچھ عرصہ کے بعد باہمی تصادم کی بھینٹ چڑھ جاتی ہے۔

اوپر یہ وضاحت ہو چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قوانین طبیعی اور ان کے نتائج میں تغیر و تبدل کا گزر تک نہیں۔ جس طرح ہمیں یہ یقین ہے کہ سنکھیا ملا کھانا مہلک ہے۔ اس طرح ہمیں اس امر پر بھی پختہ ایمان اور کامل یقین رکھنا چاہیے کہ حرام کمائی کا لقمہ بھی ایمان کے لئے زہر قاتل ہے اور پورے معاشرے اور انسانیت کے لئے مہلک ہے حرام کی کمائی کے اثرات آج ہماری نگاہوں کے سامنے عیاں ہو چکے ہیں کہ انسانیت مفقود ہو چکی ہے اُنس و محبت نام کی کوئی چیز موجود نہیں ہر ملک کے اپنے اندر بھی ایک دوسرے کی بوٹیاں نوچی جارہی ہیں اور تمام ملک ایک

دوسرے کے خلاف بھی نبرد آزما ہیں ۔جب آدمی اللہ کی بتائی ہوئی راہ سے منحرف ہوکر گوشت پوست اور خون کی مادی زندگی پر اُتر آتا ہے تو اُس وقت وہ درندوں اور حیوانوں کی سطح سے ہرگز بلندتر نہیں ہوتا ۔اس کی زندگی سراسر پیکاراور ماردھاڑ کی زندگی بن جاتی ہے۔

اگر انسان پر حیوانیت غالب آجائے تو وہ عالم فاضل بن کر اپنے علم کو بھی تخریبی وسائل وآلات کی اختراع کا ذریعہ بنالے گا ۔وہ وسائل وآلات جو اُسے اس سے قبل اپنی بے علمی کے باعث میسر نہ تھے جب علم کی ترقی سے میسر آگئے تو دوسری عالمی جنگ میں تباہ کاریوں کا باعث بنے آدمی کو وہ ذرائع بہم پہنچ گئے ۔جن کی مدد سے وہ اپنے ہی معاشرے کو تہس نہس کردے زندگی کے آثار تلف کردے ۔اور کرہ ارضی کے پرخچے اڑا کر اسے گردوغبار میں تبدیل کرڈالے۔

سب سے بڑا دشمن ؟

ایک بزرگ سے اس حدیث کے مفہوم کے بارے میں دریافت کیا گیا

" تیرا سب سے بڑا دشمن تیرا نفس ہے جو تیرے دونوں پہلوؤں کے درمیان ہے"

فرمایا کہ تم نفس کے علاوہ جس دشمن کے احسان کرو گے وہ تمہارا دوست بن جائیگا لیکن اس نفس کے ساتھ جتنی خاطر تواضع کرو گے وہ زیادہ مخالفت کریگا۔آدمی کم کھانے سے فرشتہ صفت بن جاتا ہے،اگر وہ جانوروں کی کھانے لگے تو جمادات کی طرح پڑا رہیگا یعنی بے کار ہوجاتا ہے،نفس جب اپنی مراد پالیتا ہے تو زیادہ حکومت کرنے لگتا ہے اور غلام بنا لیتا ہے (گلستان سعدیؒ - صفحہ نمبر-198)

فائدہ:انسان کی کامیابی نفس کی مخالفت میں ہے۔

(حافظ عبدالکریم-ملتان)

گردشِ ماہ وسال

(ترجمہ: مفتی محمد حسین)

حرم کعبہ کے امام شیخ عبدالرحمٰن السدیس کا فکر انگیز خطبے کا ترجمہ مضمون کی شکل میں پیش کیا جارہا ہے:

تمام تعریفیں اس ذات باری تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے دن سے رات اور رات سے دن کی تبدیلی میں عقل مندوں کے لئے بہت سی عبرتیں پنہاں کر دیں۔ میں اس کی حمد وثنا بیان کرتا ہوں اور اس کی پے در پے نعمتوں پر اس کا شکر ادا کرتا ہوں اور گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات غالب، عزت والی اور معارف کرنے والی ہے۔ وہ ذات جس نے اس دنیا کے فانی ہونے کا فیصلہ کیا ہے اور آخرت کے لئے تیاری کا حکم دیا ہے اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے منصب نبوت کے لئے اختیار کیا اور چن لیا، درود وسلام آپ ﷺ پر اور آپ کے صحابہ کرامؓ اور آپ کے متبعینؒ پر۔

میرے دینی بھائیو! کبھی آپ نے غور کیا کہ آسمان سے جو بارش آتی ہے اس کا پانی زمین میں جذب ہو کر ہرے بھرے لہلہاتے کھیت اور سبزہ اُگا دیتا ہے۔ لیکن پھر چند دنوں کے بعد کھیتی کاٹ دی جاتی ہے اور اگر نہ کاٹی جائے، تب بھی اس پر ایسی خزاں آتی ہے کہ اس کے سبزے کو پیلاہٹ میں تبدیل کر دیتی ہے اور پھر ہوا اس کو اِدھر اُدھر اُڑاتی پھرتی ہے اور اس کی حقیقت کسی بھوسے سے کم نہیں ہوتی۔ یہ سب کچھ ایک مختصری مدت میں پیش آتا ہے اور زمین کی یہ زینت، یہ سبزہ باقی نہیں رہتا، بلکہ اس پر فنا اور زوال آجاتا ہے اور یہ سب کچھ گویا پلک جھپکتے میں ہوتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔

قرآن کریم میں دنیا کے زوال وفنا کو ایک نہایت بلیغانہ تشبیہہ کے انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ "دنیا کی زندگی کی مثال بارش کی سی ہے

کہ ہم نے اس کو آسمان سے برسایا، پھر اس پانی کے ساتھ مل کر وہ سبزہ نکلا کہ جسے انسان اور جانور کھاتے ہیں، یہاں تک کہ زمین سبزے سے خوش نما اور آراستہ ہوگئی اور زمین والوں نے خیال کیا کہ وہ اس پر پوری دسترس رکھتے ہیں، یہاں تک کہ ناگہاں رات کو یا دن کو ہمارا حکم (عذاب) آ پہنچا تو ہم نے اسے کاٹ کر ایسا کر ڈالا کہ گویا کل وہاں تھا ہی نہیں۔ جو لوگ غور کرنے والے ہیں، ان کیلئے ہم اپنی قدرت کی نشانیاں اسطرح کھول کھول کر بیان کرتے ہیں"۔(سورۃ یونس)

ایک اور جگہ قرآن کریم میں دنیا کی مثال جسطرح بیان کی گئی ہے، اس کا مفہوم کچھ یوں ہے "اوران سے دنیا کی زندگی کی مثال بھی بیان کردو، وہ ایسی ہے، جیسے پانی، جسے ہم نے آسمان سے برسایا تو اس کے ساتھ زمین کو روئیدگی مل گئی پھر وہ چورا، چورا ہوگئی کہ ہوائیں اسے اڑاتی پھرتی ہیں، اللہ تو ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے"۔(سورۃ الکہف)۔ جی ہاں، اس دنیا کی حقیقت اپنے زوال اور کمزوری، فنا و بربادی میں بالکل اسی طرح ہے، جیسا کہ ان آیات میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ وہی دنیا ہے جس میں بہت سے لوگ اسطرح غرق ہو جاتے ہیں کہ آخرت کو بالکل فراموش کردیتے ہیں اور دنیا کی خوشی اور اس کے نشے میں ایسے بدمست ہو جاتے ہیں اور اپنے مال و اولاد میں مشغول ہو کر اس دھوکہ میں ایسے مبتلا ہوتے ہیں کہ گویا یہ چیزیں ہمیشہ کیلئے ہیں، جبکہ در حقیقت دنیا میں نہ تو اطمینان ہے اور نہ ہی راحت، نہ اس دنیا کو ثبات حاصل ہے اور نہ ہی استقرار اس کے حوادث بہت کثرت سے ہیں اور ان میں عبرت کے سامان بھی بہت ہیں، اس میں ہر عروج کیلئے زوال بھی مقدر ہے۔ کتنے ملک آباد رہے ہیں اور کتنے ہیں جو برباد ہو رہے ہیں، ایک طرف کتنے ہی شہر تعمیر ہو رہے ہیں تو دوسری جانب کتنے ہیں جو منہدم کئے جا رہے ہیں۔ کسی کی بادشاہت قائم ہو رہی ہے تو کسی کی بادشاہت زائل ہو رہی ہے۔ اس دنیا میں انسان کو صرف اتنی ہی دیر نفع حاصل ہوتا ہے جتنا بارش کے برسنے اور سبزے کی اُگنے کی مدت ہوتی ہے اور پھر اس دنیا کا اختتام ہو جاتا ہے۔ جس طرح یہ کھیتی چورا چورا ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق تو یہ دنیا محض لہو و لعب ہے اور ظاہری زیب و زینت ہے، یہ دنیا ایک سراب ہے، جس کے دھوکے

میں انسان اس کے پیچھے بھاگتا رہتا ہے، لیکن یہ ہاتھ نہیں آتی، یہ بجلی کی چمک کی مانند ہے، ابھی چمکی اور ابھی غائب ہوگئی۔ اس دنیا میں تلوار کی سی کاٹ ہے، اس کی خوشی میں غم پنہاں ہیں، اس کی ہنسی میں گریا اور رونا ہے یہ دنیا مکار، چالاک، دھوکے باز ہے، اس دنیا میں کل کے بچے آج کے بوڑھے ہیں، کل کے عزت دار آج کی ذلت وخواری میں مبتلا ہیں۔ کل کے وزیر آج کے فقیر ہیں، اور کل کے مالدار آج کے تنگدست ہیں۔ اس دنیا کے احوال ہمہ قسم تبدیلی اور تغیر سے دوچار ہیں، اس دنیا میں ایک کی ہلاکت کے بعد دوسرے کی ہلاکت ہے اور ایک کے جانے کے بعد دوسرے کے جانے کی قطار لگی ہوئی ہے۔ اس دنیا کی زیب و زینت سے دھوکہ کھانے والو، اور اس کی شہوت میں مقید لوگو اور اس کے لہو ولعب کی طرف مائل ہونے والوں کیلئے اگر چہ یہ دنیا کتنی ہی طویل کیوں نہ ہو، لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ دنیا چند دنوں کی ہے، چند گنے چنے سانس ہیں۔ زندگی کی میعاد کسی بھی وقت پوری ہوسکتی ہے۔ اس دنیا میں کئے جانے والے اعمال کا مکمل حساب وکتاب تیار کیا جارہا ہے۔ قرآن حکیم میں متعدد مقامات پر دنیا کے دھوکے، اس کی زینت وآرائش کی بے ثباتی کو مختلف انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کے ارشاد کا مفہوم یہ ہے؛ "لوگو خدا کا وعدہ سچا ہے، تم کو دنیا کی زندگی دھوکے میں نہ ڈالدے اور نہ (شیطان) فریب دینے والا تمہیں فریب دے" ۔(سورۃ فاطر 5) "جان رکھو کہ دنیا کی زندگی محض کھیل اور تماشا اور زینت وآرائش اور تمہارے آپس میں فخر وستائش اور مال واولاد کی ایک دوسرے سے زیادہ طلب وخواہش ہے" ۔(سورۃ الحدید) "یہ دنیا کی زندگی تو صرف کھیل وتماشا ہے اور ہمیشہ کی زندگی کا مقام تو آخرت کا گھر ہے، کاش یہ لوگ سمجھتے" ۔(سورۃ العنکبوت) صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک روز میرا کاندھا پکڑ کر ارشاد فرمایا "دنیا میں مسافر یا راہ گزر کی طرح رہو، اگر تم شام کر لو تو صبح کا انتظار نہ کرو اور صبح کر لو تو شام کا انتظار مت کرو" ۔ اس دنیا میں انسان کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کوئی شخص سواری کے انتظار میں بیٹھا ہو کہ ابھی سواری ملے اور وہ سفر پر روانہ ہو جائے۔ جامع ترمذی اور دیگر کتب حدیث میں

نبی اکرم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے کہ "اس دنیا کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کوئی سوار سفر کے دوران کسی درخت کے سائے میں کچھ دیر آرام کیلئے رکے تا کہ دوبارہ اپنی منزل کی طرف روانہ ہو سکے۔اور پھر اس درخت کو چھوڑ کر چلا جائے۔" حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے ساتھیوں کو جو نصیحتیں کیں،اس میں دنیا کے متعلق ایک نصیحت یہ بھی کی کہ دنیا ایک پل ہے،اسے عبور کرنے کی کوشش کرو،اسے تعمیر کرنے کی کوشش مت کرو،اوراسی طرح فرمایا،دنیا کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کوئی شخص سمندر کی موجوں پر گھر تعمیر کرے،لہذا اس دنیا کو قرار کی جگہ مت بناؤ۔حضرت نوح علیہ السلام جنہوں نے 950 سال تک تبلیغ کی،جب ان سے سوال کیا گیا کہ آپ نے دنیا کو کیسے پایا تو انہوں نے فرمایا۔اس گھر کی مانند جس کے دو دروازے ہوں،ایک سے داخل ہوا اور دوسرے سے نکل گیا۔حضرت علیؓ سے ان کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ دنیا پیچھے رہ جانے والی چیز ہے،جب کہ آخرت آئندہ آنے والی ہے دنیا و آخرت دونوں کے چاہنے والے ہیں،تم آخرت کے چاہنے والے بنو،اسلئے کہ آج دنیا میں عمل کا وقت ہے لیکن حساب کتاب نہیں۔جبکہ کل (آخرت) میں صرف حساب و کتاب ہوگا،عمل کا وقت نہیں ہوگا۔حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اپنے ایک خطبے میں ارشاد فرمایا "یہ دنیا مستقل قرار کی جگہ نہیں،اللہ نے اس کو فنا اور اس دنیا میں رہنے والوں کیلئے آگے کی جانب سفر کو مقدر کیا ہے،اس دنیا میں آباد کتنے ہی لوگ،کس قدر جلد ہلاک ہو جاتے ہیں اور کتنے ہی قابل رشک حالت میں زندگی گزارنے والے نہایت ہی مختصر مدت میں آخرت کی جانب سفر کر جاتے ہیں۔کیا ہم یہ سمجھتے ہیں کہ یہ موت صرف دوسروں کیلئے مقرر کی گئی ہے،ہم اس موت کا نشانہ نہیں بنیں گے؟ اور جن لوگوں کو قبروں کی جانب رخصت کر رہے ہیں کیا ہم بھی عنقریب ان قبروں کے سپرد نہیں کئے جائیں گے؟"۔ہم زندگی کے گزارنے والے دنوں پر خوشیاں مناتے ہیں جبکہ زندگی کا ہر اگلا دن ہمیں موت کے قریب لے جا رہا ہے۔انسان کا نفس اس دنیا میں لطف اندوز ہوتا ہے جبکہ یہ خود بھی اچھی طرح جانتا ہے کہ سلامتی اور عافیت اس دنیا سے کنارہ کشی اختیار کرنے میں ہے۔اس دنیا میں مستقل رہائش کے

اعلیٰ سے اعلیٰ انتظامات بھی ہلاکت سے نہیں بچا سکتے ،خوشیوں کے سارے اسباب و وسائل جمع کرنے کے باوجود دنیا میں غموں سے نجات نہیں مل سکتی۔ ہر ذی نفس کو اس دنیا میں موت کا مزہ چکھنا ہے،اس کا کوئی وقت مقرر نہیں ہے،صبح یا شام میں سے کسی بھی وقت آیا چاہتی ہے۔ میں دنیا کی نا پائیداری جیسے اہم موضوع کی طرف آپ کی توجہ ایسے وقت میں دلانا چاہتا ہوں جبکہ ہم گزرے سال کو الوداع کہہ رہے ہیں۔

یہ گذشتہ سال جس کا کچھ دن قبل ہم نے استقبال کیا تھا،اس قدر تیزی سے گزر گیا کہ آج ہم اس کو رخصت کر رہے ہیں ۔ایک مکمل سال گزر گیا ۔ ہماری عمر کا ایک ایسا حصہ گزر گیا جو قیامت تک لوٹ کر نہیں آ سکتا۔ایک سال کا مکمل ہو کر دوسرے سال کا شروع ہونا اس دنیا کے فناء اور اس کا تیزی سے گزرنے کا واضح اشارہ ہے۔مہینے اور سال اسی طرح گزرتے جا رہے ہیں اور ہم اب بھی غفلت میں پڑے ہوئے ہیں ۔انسان کی زندگی دو وقتوں کے درمیان ہے جس میں سے ایک وقت اور مدت گزر گئی ہے،اس کو نہیں معلوم کے اللہ کی بارگاہ میں اس کے متعلق اس مدت میں کیا لکھا گیا اور ایک میعاد اور وقت آنے والا ہے۔اس کے متعلق بھی انسان کو نہیں معلوم کے اس کے متعلق اللہ کی جانب سے کیا فیصلہ ہوگا۔گذشتہ سال میں ہم نے جیسے اعمال کئے ہونگے اسی کے مطابق یہ سال یا تو ہمارے حق میں گواہ بنے گا یا ہمارے خلاف گواہی دے گا۔ کسی بھی عقلمند شخص کیلئے جو شب و روز موت کے واقعات اور اس دنیا سے دوسری دنیا کی طرف سفر کرنے والوں ،محلات سے قبروں کی تنگ و تاریک ، کیڑوں اور حشرات الارض کی آماجگاہ کی جانب اٹھائے جانے والے جنازوں کا مشاہدہ کرتا ہے ،اسے اپنی خواب غفلت اور گناہوں والی زندگی سے بے زار ہو جانا چاہیے،اس لئے کہ وہ موت جسکی آغوش میں دوسرے لوگ جا چکے ہیں اس موت کا اگلا شکار ہم ہیں ،بس ہوشیار ہو جاؤ۔ ارشاد ربانی ہے جس کا مفہوم یہ ہے۔"جب کسی کی موت آ جاتی ہے تو اللہ اس کو ہرگز مہلت نہیں دیتا"(سورۃ المنافقون 11) یاد رکھو اس موت سے کوئی جائے فرار نہیں ہے ،اس موت نے ہر انسان پر سوار ہونا ہے ،ہم لمبی لمبی امیدیں

قائم کر کے ان کی تنظیم میں لگے رہتے ہیں، لیکن موت ان امیدوں سے بہت پہلے حملہ آور ہو جاتی ہے۔ روزانہ ہر شخص کو موت اور اس کی قبر آواز دیتی ہے لیکن سخت دل لوگ اس آواز پر کان نہیں دھرتے۔ ہمیں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ ہم اللہ کے سامنے اپنے اعمال اور اپنے اوقات کے جواب دہ ہیں، ہمیں چاہیے کہ ہم روزمرہ کے حوادث و واقعات سے عبرت حاصل کریں اور سال ہجری کے اختتام پر اپنے اعمال کی کیسٹ دہرائیں اور دیکھیں کہ ہم نے سال گذشتہ میں کیا کیا؟۔ اللہ کے سامنے کیا اعمال پیش کئے۔ ہمیں اپنی ذات سے سوال کرنا چاہیے، اپنا محاسبہ کرنا چاہیے کہ ہم نے اپنے اوقات کن کاموں میں مصروف کئے اگر ہم نے اچھے اعمال کئے ہیں تو اس پر اللہ کا شکر اور اس کی تعریف بیان کریں اور اگر ہم نے برے اعمال کئے ہیں تو پھر فوری طور پر اللہ سے رجوع کریں، اپنے گناہوں سے توبہ کریں۔

حدیث نبوی ﷺ

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جب تم میں سے کوئی شخص سو جاتا ہے تو شیطان اس کے سر کے پچھلے حصے پر تین گرہیں لگا دیتا ہے اور ہر گرہ کو ان لفظوں سے بند کرتا ہے "بہت لمبی رات ہے سو یا رہ"۔ اگر وہ بیدار ہو کر اللہ کا ذکر کرے تو ایک گرہ کھل جاتی ہے۔ پھر اگر وہ وضو کرے تو دوسری گرہ کھل جاتی ہے۔ پھر اگر نماز پڑھے تو تمام گرہیں کھل جاتی ہیں اور وہ ہوشیار اور پاکیزہ نفس ہو جاتا ہے، وگرنہ اس کی صبح اس عالم میں ہوتی ہے کہ وہ ناپاک دل اور سست ہوتا ہے۔

(بخاری و مسلم)

مرتے وقت کا مالی ایثار

(مولانا محمد جعفر شاہ پھلواردی)

شیخین اور ابوداؤد نے حضرت ابوھریرہؓ سے ایک روایت نقل کی ہے کہ:

حضورﷺ سے دریافت کیا گیا کہ بہترین صدقہ کیا ہے؟ فرمایا کہ وہ صدقہ جو ایسی حالت میں ادا کیا جائے جبکہ تم تندرست ہو اور مال کی محبت موجود ہو اور اس کی موجودگی میں امیر بنے رہنے کی توقع ہو اور نہ ہونے سے محتاج ہو جانے کا اندیشہ۔ تم اسے چھوڑنے کیلئے تیار نہیں ہوتے مگر جب جان حلق میں اٹک جاتی ہے تو کہنے لگتے ہو کہ اتنا فلاں کا حصہ ہے اور اتنا فلاں کیلئے رکھا تھا۔"

مال کی محبت انسان کی فطرت میں کچھ ایسی پیوست ہوتی ہے کہ اگر کسی کے پاس ضرورت سے بہت زیادہ دولت بھی ہو تو اُسے اپنی ضرورت سے کم ہی سمجھتا ہے اور خواہش یہ ہوتی ہے کہ کچھ دولت اور بھی ہاتھ آجائے تو اچھا ہے۔ پھر اگر دینے کا وقت آئے تو انسان ہچکچاتا ہے۔ اور وہ یہ سمجھتا ہے کہ جتنا دیں گے اتنا گھٹ جائیگا۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہیے کہ دولت اپنے پاس رہنے سے انسان سمجھتا ہے کہ میں غنی رہوں گا اور اگر اسے دے دیا تو محتاج ہو جاؤں گا۔ لینے اور جمع کرنے میں اُسے امیر رہنے کی اُمید رہتی ہے اور دینے میں فقر و محتاجی کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اس لئے وہ جب تک دولت کو اپنے پاس رکھ سکتا ہے رکھتا ہے اور اسے چھوڑتا نہیں۔ اور اگر دینا پڑے تو اس وقت دیتا ہے جب اس کے سوا کوئی چارہ کار نہ ہو۔ جب اسے یہ نظر آتا ہے کہ اب میرے قبضہ سے دولت جارہی ہے یا اب میرے کوئی کام نہ آئے گی وہ دینے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ خوش دلی تو اُسے اس وقت بھی نہیں ہوتی۔ اس وقت بھی اُسے مال نکالنا جبر ہی محسوس ہوتا ہے لیکن وہ اس لئے نکالنے پر مجبور ہوتا ہے کہ نہ نکالے تو کیا کرے؟۔

جب اس کی جان پر بن آتی ہے اور وہ دیکھتا ہے کہ اب یہ دولت میرے ہاتھ سے نکل کر دوسرے وارثوں کے ہاتھ میں جارہی ہے اور اب میرے کوئی کام نہ آسکے گی تو اس وقت اُسے کچھ نیکی کا مجبوراً خیال آتا ہے اور اپنا حکم چلانے کے لئے یا ایک مجبورانہ اور فریب کارانہ نیکی کے اظہار کیلئے اپنی فیاضی و دریا دلی اور سخاوت و استغناء کی نمائش کرتا ہے کہ اتنا فلاں کو دے دو اور اتنا فلاں کے حوالے کردو۔ وہ بد بخت کسی کیلئے کوئی وصیت کرے یا نہ کرے دونوں ہی برابر ہیں۔ اس کے قبضے سے بہر حال وہ چیز چلی جائیگی اور دوسرے وارثوں کو مل جائیگی خواہ وہ کسی کیلئے کچھ کہے یا نہ کہے۔

اس لئے اس حدیث میں دینے کا صحیح موقع یہ بتایا گیا ہے کہ دینا ہے تو اس وقت دو جب مال تمہارے قبضے میں ہو اور تم کو یہ محسوس ہو رہا ہو کہ اگر ہم نہ دیں گے تو غنی بنے رہیں گے اور دیں گے تو گھٹ جائیگا۔ ایسی حالت میں دینا بلاشبہ ایک فیاضی ہے۔ محض دینا ہی فیاضی نہیں بلکہ یہ سمجھنا بھی ضروری ہے کہ ہم نے اپنا ایک فرض پورا کیا۔ دینے میں اُسے خوشی محسوس ہو اور یہ اندیشہ اس کے دل میں چٹکیاں نہ لے کہ اس سے ہماری دولت میں کمی آجائے گی یا ہم محتاج ہو جائیں گے۔ جب مال ہی قبضے سے نکل رہا ہو تو اس وقت کی فیاضی ایسی ہے جیسے ڈوبتے ہوئے جہاز کے مال کو خیرات کرنے کا اعلان کر دیا جائے۔ یا جیسے ایک بالکل کمزور و بے بس آدمی مار کھانے کے بعد یہ کہے کہ جاؤ ہم نے معاف کر دیا اور ہم تم سے کوئی بدلہ نہیں لیں گے۔" اگر ایسے آدمی کا معاف کرنا کوئی عفو نہیں تو اس آدمی کی فیاضی بھی کوئی فیاضی نہیں جو مال کو اپنے قبضے سے باہر جاتا ہوا دیکھ رہا ہو۔ اصل فیاضی اور حقیقی صدقہ وہ ہے جو زندگی میں ہو، جو اپنے قبضے میں ہو اور جس کی ضرورت محسوس ہو رہی ہو۔ مرتے ہوئے وصیّت کر جانا (جس کی تعمیل بھی مرنے کے بعد ہوتی ہے) کوئی کمال نہیں۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ " اگر کوئی شخص مرتے وقت سو درہم صدقہ کرے اس سے بہتر ہے کہ وہ اپنی زندگی اور تندرستی کی حالت میں ایک درہم صدقہ کر دے۔"

مال کی محبت جب دل میں پیوست ہوجائے تو اس کا یہ نتیجہ بارہا دیکھا گیا ہے کہ بعض لوگ مرتے وقت بھی اُسے کسی کے حوالے کرنا پسند نہیں کرتے۔ مجھے خود کئی ایسے آدمیوں کا علم ہے کہ جو مر گئے مگر کسی کو اپنے مال کی ہوا بھی نہ لگنے دی۔ اللہ جانے کتنے انسان مر جاتے ہونگے جن کی مدفون دولت کا کسی کو علم بھی نہیں ہوتا۔ یہ اپنی ذات پر صرف نہیں کرتے تو دوسروں پر کیا صرف کریں گے۔ ایسے لوگوں کیلئے ابن مسعودؓ کا قول کتنا دلچسپ اور بلیغ ہے:

"بعض لوگ مرتے ہیں اور ان کے آگے پیچھے کوئی وارث نہیں ہوتا ایسے لوگوں کو اپنا مال فقراء و مساکین کی راہ میں دے دینے سے کیا چیز مانع ہوتی ہے؟

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے سوال کا جواب یہی ہوسکتا ہے کہ مال کی غایت محبت، حرصِ دولت، بخل اور خباثتِ نفس ایسی بیماری ہے جو انسان کو مرتے وقت بھی مال نہیں نکالنے دیتی اور ایسا بد بخت انسان جب زندگی میں کسی کو کچھ دینا پسند نہیں کرتا تو یہ جذبہ اُسے یہاں تک پہنچا دیتا ہے کہ وہ یہ بھی پسند نہیں کرتا کہ میرے مرنے کے بعد بھی کسی کو کچھ ملے۔ یعنی نہ میرے کام آئے نہ دوسروں کے۔ ایسے مرنے والوں سے یہ پوچھنا چاہیے کہ ایسی دولت کو زمین میں گاڑ کر رکھنے سے کیا فائدہ جو نہ تمہارے کام آئے نہ دوسروں کے؟ بس گڑی رہے اور ابدالآباد تک سڑتی رہے۔ قرآن میں ایسی ذہنیت رکھنے والوں کیلئے یہ وعید آئی ہے کہ

اور جو لوگ سونا چاندی اندوختہ کرتے ہیں اور اسے راہ خدا میں صرف نہیں کرتے تو ان کو دردناک سزا کی خوشخبری دے دو۔ اس دن جبکہ اُسے آتش دوزخ میں تپایا جائیگا پھر اس سے ان کی پیشانی، پہلو اور پیٹھ کو داغا جائیگا کہ یہ ہے وہ کچھ جو تم نے اپنے لئے اندوختہ کر رکھا تھا۔ لہٰذا اپنی اندوختگی کا مزہ چکھو۔

وساوس اور خیالات

(پروفیسر شبیر شاہد ہوتوانی۔ چوک اعظم)

انسان کی سوچ و خیالات ہی عمل کا باعث بنتے ہیں ۔سوچنا دماغ کی صفت ہے انسانی دماغ میں اچھی یا بری سوچیں پیدا ہوتی رہتی ہیں ۔اچھے خیالات نیک ذہن کی پیداوار ہیں ۔ اچھی سوچ اچھے افعال و اعمال کی طرف قدم ہے اور بری سوچ بد افعال و اعمال کی طرف لے جاتی ہے اچھی سوچ کو مستحسن قرار دیا گیا ہے ۔اور اس پر اجر و ثواب کا وعدہ بھی ہے جبکہ بری سوچ پر گناہ کا اطلاق نہیں ہوتا جب تک کہ اس پر عمل نہ کیا جائے ۔اگر ہماری سوچ اور خیالات پاکیزہ ہونگے تو زندگی صحیح ڈگر پر گامزن ہوگی ۔اگر خدانخواستہ ہمارے خیالات فاسد اور سوچیں منفی ہونگی تو ہماری زندگی غلط راہ پر گامزن ہو گی ۔آج ہماری سوچیں مثبت ہونے کی بجائے منفی زیادہ ہیں ۔ ہماری منفی سوچ کی وجہ سے ہمارے اعمال اسلامی معیار کے مطابق نہیں ہیں بلکہ دنیا کی محبت کا رنگ چڑھا ہوا ہے ۔ہم دنیا کے ہی ہو کر رہ گئے ہیں ۔روز بروز اسلامی قدریں ختم ہوتی جارہی ہیں معاشرے میں جھوٹ فریب اور دھوکہ دہی عام ہے ۔انسان صرف مال و دولت کے حصول کیلئے ہر جائز و ناجائز طریقے اختیار کر کے مال بنا رہا ہے ۔جبکہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ "ہر امت کی ایک آزمائش ہوتی ہے میری امت کی آزمائش مال ہے"۔

اچھے یا برے خیالات تو ہر وقت آتے رہتے ہیں ان کا آنا مضر نہیں ،نہ نماز میں نہ ذکر میں بلکہ خیالات کا لانا اور خیالات پر جمنا مضر ہے ۔پیدا ہونے والے خیال کے تحت جو عمل وقوع پذیر ہوتا ہے اس عمل کے وجود میں آنے تک تمام مراحل پر آنکھ رکھو۔وسوسہ شیطان کی طرف سے بھی ہوتا ہے اور نفس کی طرف سے بھی لیکن دونوں کے وسوسوں میں لطیف فرق ہوتا ہے ۔ جو وسوسہ نفس کی طرف سے ہوتا ہے وہ خفی (چھپا ہوا ہوتا ہے)اور جو شیطان کی طرف سے ہوتا ہے وہ کھلا ہوتا ہے ۔نفس کے وساوس قوی ہوتے ہیں اور شیطان کے وسوسے کمزور ہوتے ہیں ۔

جب شیطان کے وسوسہ کو نفس کی موافقت حاصل ہوتی ہے تو اس میں قوت پیدا ہو جاتی ہے اور انسان گناہ پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ شیطان کا وسوسہ چوری کراتا اور زنا کراتا ہے۔ صوفیاء کرام کے نزدیک وسوسے نفس امارہ کی آگ کے بجھتے ہوئے دھوئیں ہیں اور فانی لذتیں اور دنیوی امور جو ہوا و ہوس کی لپیٹ میں ہوں تباہ کن ہیں جو ایندھن کی مانند ہیں جس سے آگ زیادہ بھڑکتی ہے۔ شیطان بنی آدم کا کھلا دشمن ہے۔ شیطان ہمارے ایمان پر ڈاکا ڈالنا چاہتا ہے۔ چور اسی گھر میں ڈاکا ڈالے گا جہاں خزانہ موجود ہو خالی گھر میں کیوں جائے گا۔ شیطان کا حملہ اور ڈاکا اس کا وسوسہ ہی ہے اور شیطان وسوسے کے ذریعے انسان کے اندر داخل ہوتا ہے۔ شیطانی وساوس کی طرف قطعاً التفات نہ ہو بلکہ وسوسے کا آنا اپنے مومن ہونے پر دلیل سمجھ کر مسرور رہو۔ مومن کو صرف اس وسوسہ پر گرفت ہوتی ہے جو اس کو غافل کر دے البتہ جو وسوسہ آئے اور گزر جائے اس پر گرفت نہیں۔ ہمارے دل کا کام شاہراہ پر ٹریفک کے سپاہی کی طرح ہے۔ خیالات کو گزارتے رہیں جمنے نہ دیں۔ خاموشی کے وقت خطرات کی نگہداشت ہو وسوسہ اور خیال دل میں نہ رکنے پائے اور دل پر احوال کا مشاہدہ کرتا رہے۔ برے خیالات کو فوراً جھٹک دیں۔ یعنی نفی کر دیں ورنہ وہ چپک کر گناہ کی گھاٹیوں میں لے جائیں گے۔ جب بندہ مومن پر وسوسہ کی بنا پر لغزش ہوتی ہے اور اس کو علم ہو جاتا ہے تو وہ عاجزی اور استغفار کرتا ہے۔ ایک حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ میری امت کے دلوں میں جو وسوسے، برے خیالات پیدا ہوتے ہیں ان سے درگزر کرتے ہوئے معاف کرتا ہے۔ ان پر کوئی پکڑ نہیں البتہ عمل پر ضرور مواخذہ ہوگا۔ جب دل میں گناہ اور خیال کا وسوسہ آئے تو انسان اللہ سے پناہ مانگے اور دعا کرے کہ اللہ اسے شیطان کے وسوسوں سے محفوظ رکھے۔ بعض اوقات نماز میں خیالات پریشان کرتے ہیں۔ ان خیالات کے نتیجہ میں ہم سمجھتے ہیں کہ نماز بے جان ہے۔ یہ خالی اٹھک بیٹھک کے سوا کچھ نہیں جس کی وجہ سے سستی کرتے ہیں اور نماز چھوڑ بیٹھتے ہیں۔

ہر طرف فریب

(مرسلہ: فہد محمود بخاری)

آج کی دنیا فریب کی دنیا ہے۔ آج کے انسان کو ایسے نعرے مل گئے ہیں جن سے وہ اپنی شخصی لوٹ کی سیاست کو قومی خدمت کی سیاست ظاہر کر سکے۔ ہر آدمی ایسے الفاظ کا ماہر بنا ہوا ہے جو اس کے ظلم و فساد کو عین حق و انصاف کا روپ دے سکیں۔ ہر آدمی کے ہاتھ ایسے قانونی نکتے آ گئے ہیں جو اس کے جرم کو بے گناہی کا سرٹیفکیٹ عطا کریں۔

یہ دنیا پرستوں کا حال ہے۔ مگر خدا پرستوں کا معاملہ بھی اس سے کچھ مختلف نہیں۔ یہاں بھی لوگوں نے ایسے فضائل و مسائل کا خزانہ جمع کر رکھا ہے جو ان کی بے دینی، کمال کے خانہ میں ڈال دیں۔ جو ان کی بے عملی کو عمل کا شاندار کریڈٹ دے دیں۔ لوگوں نے ایسا خدا دریافت کر رکھا ہے جس سے ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ لوگوں کو ایسا رسول (ﷺ) ہاتھ آ گیا ہے جو صرف اس لئے آیا تھا کہ ان کی ساری بداعمالیوں کے باوجود خدا کے یہاں ان کا یقینی سفارشی بن جائے۔ لوگوں کو ایسی آخرت مل گئی ہے جہاں جنت صرف اپنے لئے اور جہنم صرف دوسروں کے لئے۔ لوگوں کو ایسی نمازیں حاصل ہو گئی ہیں جن کے ساتھ ریا، کبر اور حسد جمع ہو سکتا ہے۔ لوگوں کو ایسے روزے معلوم ہو گئے ہیں جو غیبت، جھوٹ اور ظلم سے فاسد نہیں ہوتے۔ لوگوں کو ایسا دین ہاتھ آ گیا ہے جو صرف بحث و مباحثہ کرنے کے لئے ہے نہ کہ عمل کرنے کیلئے۔ لوگوں کو اسلامی دعوت کے ایسے نسخے معلوم ہو گئے ہیں جو ان کی شخصی قیادت اور قومی سیاست کو اسلام کا لباس اوڑھ دیں۔

مگر جھوٹا سونا اسی وقت تک سونا ہے جب تک وہ کسوٹی پر نہ پرکھا گیا ہو۔ اسی طرح فریب کا یہ کاروبار بھی صرف اس وقت تک ہے جب تک کہ خدا ظاہر ہو کر اپنے انصاف کی ترازو کھڑی نہ کر دے۔ آج امتحان کی آزادی ہے۔ آج آدمی کو موقع ہے کہ جو چاہے کرے

مگر جب امتحان کی مدت ختم ہوگی تو آدمی اپنے آپ کو بالکل بے بس پائے گا وہ بولنا چاہے گا مگر اس کے پاس الفاظ نہ ہوں گے۔ وہ چلنا چاہے گا مگر اس کے پاس پاؤں نہ ہوں گے کہ ان کے ذریعہ وہ بھاگ کر کہیں جا سکے۔ یہ سچائی کا دن ہوگا اس دن ہر آدمی کے اوپر سے فریب کا وہ لباس اتر چکا ہوگا جس کو آج وہ پہنے ہوئے ہے۔ ہر آدمی اپنی اس اصل صورت میں نمایاں ہوجائے گا جو فی الواقع اس کی ہے مگر امتحان کی آزادی سے فائدہ اٹھا کر آج وہ اس کو چھپائے ہوئے ہے۔ آدمی کی یہ اصل صورت خدا کے سامنے آج بھی عریاں ہے۔ مگر آخرت میں وہ تمام لوگوں کے سامنے نمایاں ہوجائے گی۔

دُعائے مغفرت

(1) ملتان کے بھائی ذوالقرنین کھیڑا ایڈووکیٹ کی ہمشیرہ

(2) چوک اعظم کے بھائی پروفیسر شبیر شاہد ہوتووانی کے ماموں زاد بھائی محمد شفیع اور ان کے کزن محمد عمر

(3) لاہور کے بھائی جناب نیاز احمد المعروف " ڈیجیٹل بابا" کی اہلیہ بقضائے الٰہی وفات گئے ہیں۔(ان للہ و انا الیہ راجعون)

تمام بھائی مرحومین کی مغفرت کیلئے دعافرمائیں

قرون اولیٰ میں مسلمانوں کی بے مثال ترقی اور موجودہ دور میں زوال وانحطاط کی وجوہات، اسلامی تصوف کیا ہے؟ سلوک طے کرنے کا عملی طریقہ، سلوک کا ماحصل اور سلوک کے ادوار، ایمان محکم کس طرح پید ہوتا ہے؟ عالم روحانی کی تشریح، جنت، دوزخ کا محل وقوع اور ان کے طبقات کی تعداد، انسانی روح کی حقیقت کیا ہے؟ روح کا دنیا میں آنا اور واپسی کا سفر، اسلامی عبادات، معاملات، اور اخلاق وآداب کے اسرار ورموز اور نفسیاتی اثرات، امت مسلمہ کے لئے اپنے کھوئے ہوئے مقام کے حصول کیلئے واضح لائحہ عمل۔
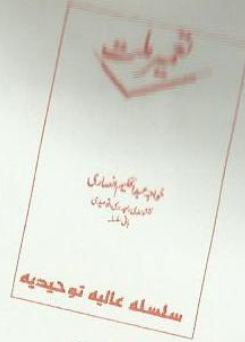
کتاب ہذا بانی سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے خطبات پر مشتمل ہے۔ جو آپ نے سالانہ اجتماعات پر ارشاد فرمائے اسمیں درج ذیل خصوصی مسائل پر روشنی ڈالی گئی۔ سلوک وتصوف میں ذاتی تجربات، مرشد کی تلاش کے دس سالہ دور کا حال۔ زوال اُمت میں اُمراء، علماء، صوفیاء کا کردار۔ علماء اور صوفیاء کے طریق اصلاح کا فرق۔ تصوف خفتہ اور بیدار کے اثرات اور تصوف کے انسانی زندگی پر اثرات۔ سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے قیام سے فقیری کی راہ کیونکر آسان ہوئی۔

یہ کتاب سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا آئین ہے۔ اس میں سلسلے کی تنظیم اور عملی سلوک کے طریقے تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ جو لوگ سلسلہ میں شامل ہونا چاہتے ہیں انہیں یہ کتاب ضرور پڑھنی چاہئے۔ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے تصوف کی تاریخ میں پہلی مرتبہ فقیری کا مکمل نصاب اس چھوٹی سی کتاب میں قلم بند کردیا ہے۔ اس میں وہ تمام اوراد اذکار اور اعمال واشغال تفصیل کے ساتھ تحریر کردیئے ہیں جس پر عمل کرکے ایک سالک اللہ تعالیٰ کی محبت، حضوری، لقاء اور معرفت حاصل کرسکتا ہے۔

وحدت الوجود کے موضوع پر یہ مختصر سی کتاب نہایت ہی اہم دستاویز ہے۔
مصنفؒ نے وحدت الوجود کی کیفیت اور روحانی مشاہدات کو عام فہم دلائل کی روشنی میں آسان زبان میں بیان کردیا ہے۔ آپ نے جن دیگر موضوعات پر روشنی ڈالی ہے وہ یہ ہیں:۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ کا نظریہ وحدت الشہود، انسان کی بقاء اور ترقی کیلئے دین کی اہمیت اور ناگزیریت، بنیادی سوال جس نے نظریۂ وحدت الوجود کو جنم دیا اور روحانی سلوک کے دوران بزرگان عظام کو ہو جانے والی غلط فہمیاں۔

مکتبہ توحیدیہ کی مطبوعات

مقصودِ حیات
مصنف محمد صدیق ڈار توحیدی (شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ)

یہ کتاب شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ قبلہ محمد صدیق ڈار صاحب کے سالانہ خطبات پر مشتمل ہے۔ جو اُنہوں نے سلسلہ توحیدیہ کے سالانہ اجتماعات پر ارشاد فرمائے۔ اِس میں تصوف کی تعلیمات کو قرآن کی روشنی میں ثابت کیا گیا ہے۔ اور یہ بتایا گیا ہے کہ تصوف اسلام اور قرآن سے باہر کی کوئی چیز نہیں بلکہ یہ عین قرآن کے احکامات کا نام ہے اور قرآن جس طرح کے بندۂ مومن کی تصویر پیش کرتا ہے وہ بلاشبہ ایک سچے صوفی کا ہی روپ ہے۔ قرآن پاک کے حقیقی پیغام کو آسان پیرائے میں سمجھنے کیلئے یہ کتاب سالکانِ راہ حق کیلئے ایک نعمت غیر مترقبہ ہے۔
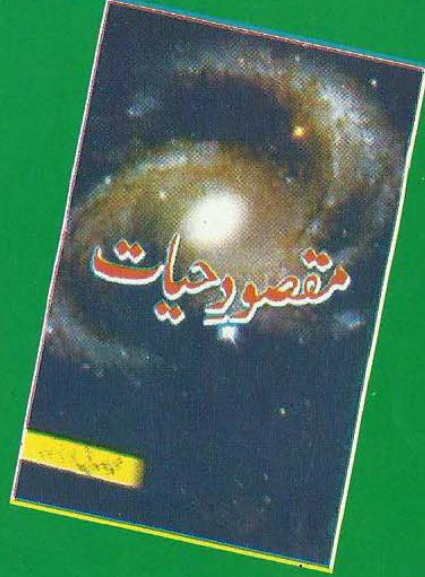
فرموداتِ فقیر　　مرتب: میاں علی رضا

بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ اور آپکے دوست اور محسن رسالدار محمد حنیف خانؒ کی سوانح حیات کیساتھ اِس کتاب میں قبلہ انصاری صاحبؒ کی مجالس کا تذکرہ اور اپنے مریدوں کو مختلف اوقات میں لکھے ہوئے خطوط شامل کئے گئے ہیں۔

قبلہ حضرت کی مجالس میں بیان کیے گئے چھوٹے چھوٹے واقعات نہایت سبق آموز اور راہ سلوک کے مسافروں کے علاوہ عام قارئین کیلئے بھی یکساں دلچسپی کا باعث ہیں۔ آپکے لکھے ہوئے جوابی خطوط میں بھائیوں کیلئے دینی و دنیاوی اور روحانی مشکلات کے حل کا سامان موجود ہے۔ نہ صرف اِن کیلئے جن کو یہ خطوط لکھے گئے بلکہ اب بھی ہر پڑھنے والے کیلئے فائدے کا سبب ہیں۔
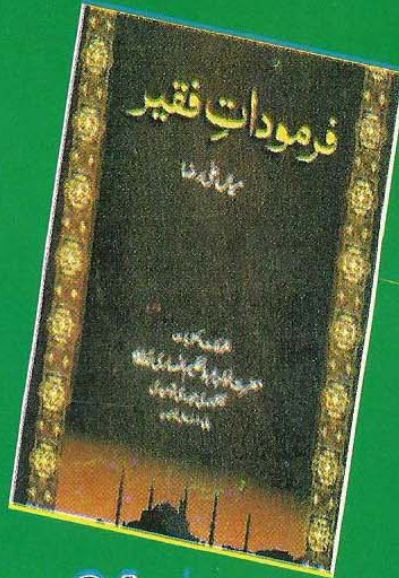
Reg: CPL - 01
Website:www.toheedia.net